باب ۵۳

ریگا! اسٹیشن پر دھکم دھکا کرتا ہوا ہجوم، بولی عجیب، قہقہے اور چکا چوند کرنے والی روشنی۔ یہ سب حیران کن تھا جس نے میری حرارت والی حالت کو مزید بگاڑ دیا۔ یہ سب کچھ اس سردی کا کیا دھرا تھا جو میں سفر میں کھا گئی تھی۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنے کامریڈ تسویتکوف کے ہاں قیام کریں گے جو سوویت کے محکمہ رسل ورسائل میں ملازم تھا۔ وہ اور اس کی حسین بیوی ماروسیا پیتروگراد کے ابتدائی دنوں سے ہمارے قریبی دوست تھے۔ پیاری سی ماروسیا سوس کی طرح نازک تسویتکوف اور دیگر لوگوں کے ساتھ مل کر پیتروگراد کو جنرل یودینچ کے دھاووں سے بچا چکی تھی۔ بندوق شانوں پر رکھے دلیر ماروسیا انقلاب کی راہ میں اپنی جان دینے کو تیار تھی۔ بعد ازاں انہوں نے بہت افلاس اور سختیاں جھیلیں جس سے ماروسیا کی صحت جواب دے گئی اور بالآخر وہ معیادی بخار کا شکار ہوگئی۔ دونوں ہی تسویتکوف اور اس کی بیوی نہایت کھرے لوگ تھے۔ ان کے نظریات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اس سب کے باوجود کہ اسے بالشویک عہد حکومت کا ملازم بن کر بود و باش کمانے پر مجبور ہونا پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ہمارا پرتپاک استقبال کریں گے۔ اس کے باوجود میں ان مراسم کی تجدید سے بچنا چاہتی تھی جنہیں میں پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ نہ ہی میری ایسی حالت تھی کہ میں لوگوں سے ملوں اور ان امور پر سوال جواب کروں جنہیں میں حتمی طور پر طے کر چکی تھی۔ مجھے آرام درکار تھا اور میں سب کچھ فراموش کر دینا چاہتی تھی..... اور ڈراؤنے خواب کو اپنے پیچھے ہمیشہ کے لئے دفن کر دینا چاہتی تھی اور اپنے سامنے جو خلا محسوس کر رہی تھی اس پر بھی فی الحال غور کرنے کو تیار نہ تھی۔ ہمارے لئے یہ نامناسب تھا کہ کسی ہوٹل میں قیام کریں۔ ہم بہت سے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا سکتے تھے اور ہم خاص طور پر یہ چاہتے تھے کہ اخباری نمائندوں سے دور رہیں۔ تسویتکوف میاں بیوی کے ہاں ہم چین سے رہ سکتے تھے۔

ہماری پہلی فکر یہ تھی کہ ہم کمیونسٹ مملکت میں سیاسی کارکنوں کی ڈراؤنی حالت کے متعلق منشور تیار کریں اور یورپ اور امریکہ کے انارکسٹ اخبارات پر زور دیں کہ وہ انہیں دھیرے دھیرے موت کے منہ میں جانے سے بچانے میں مدد دیں۔ یہ ہماری اکیس ماہ کی جبری خاموشی کے بعد پہلا واویلا ہوگا اور اس وعدے کا نقطۂ آغاز ہوگا جس کی تکمیل کا عہد ہم نے اپنے لوگوں سے کیا تھا کہ ہم پوری دنیا کو یہ بتا دیں کہ سرخ طاق میں رکھا ''اکتوبر'' کس مہیب جعل سازی کے نقاب میں تھا۔

جرمنی سے آنے والی خبر ہمت افزا تھی۔ ہمارے کامریڈ ہمارے داخلے کے انتظام میں لگے ہوئے تھے اور انہیں اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ لیکن انہیں تھوڑا سا اور وقت درکار تھا۔ اس لئے ہمیں چند مزید دنوں کے لئے لٹویا کے ویزے کو بڑھوانا تھا۔ چند دن گھسٹ کر تین ہفتے ہوگئے۔ ہماری مستقل مزاجی کے سبب ویزا کی تجدید ہوتی رہی مگر قسطوں میں۔ مقامی حکام نے ہمیں بتایا کہ ہمیں ان کے ملک کو چھوڑنا ہوگا واپس روس چلے جائیں یا جہاں سینگ سمائے۔ ''بطور بالشویک'' ہمارا اسی سے تعلق تھا۔ تمام ارباب اختیار بغیر کسی استثنیٰ کے سب کے سب نوجوان تھے۔ انہیں اپنی نوزائیدہ مملکت کا بالکل ویسا ہی سودا سمایا ہوا تھا جیسے اچانک خزانہ ہاتھ آجانے پر ہوتا ہے۔ وہ ''بانس'' پر چڑھے ہوئے تھے، غیر شائستہ اور متکبر تھے۔ دوسروں کو دبا لینے کی علت اتنی تھی جس سے کراہت ہوتی۔

تاریک آسمان پر بالآخر امید کی کرن پھوٹی۔ ''سب کچھ طے ہو چکا ہے'' ہمارے برلن کے کامریڈوں نے ہمیں مطلع کیا۔ ریگا کے جرمن کونسلیٹ کو ویزا جاری کرنے کی ہدایات دی جا چکی ہیں۔ ہم کونسلیٹ کی طرف بھاگے۔ ہمیں وہاں بتایا گیا کہ ہمارے ویزے کا معاملہ تو بالکل ٹھیک ہے مگر ہماری درخواستوں کو برلن بھیجا جانا لازم ہے جو ہمیں تین دن میں ملے گا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہمارے جوش اور ولولے والے لڑکے بھاگے بھاگے پھر کونسلیٹ پہنچے۔اس اعتماد کے ساتھ کہ اس بار ویزا مل جائے گا۔ جب وہ لوٹے تو ان کے منہ سے کسی لفظ کے نکلنے سے پہلے ہی مجھے نتیجہ معلوم ہو چکا تھا۔ہماری درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔

ایک مرتبہ پھر لیٹویا میں ہمارے قیام کو طول دینے کی غرض سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔دفتر کے بیزار نوجوانوں نے پس وپیش کے بعد بالآخر ہمارے آخری قیام میں اڑتالیس گھنٹے کا اضافہ کر دیا۔اس معیاد کے ختم ہونے کے بعد ہمیں ہر حال میں رخصت ہونا تھا۔انہوں نے اصرار کیا چاہے اس عرصے میں ہمیں کوئی ویزا ملے یا نہ ملے۔''تمہیں اپنے ملک لوٹنا ہوگا۔'' یہ بات انہوں نے اعلانیہ اور تحکمانہ لہجے میں کہی۔ہمارا ملک؟''وہ کہاں ہے۔'' جنگ سیاسی پناہ حاصل کرنے کے قدیمی حق کو نگل چکی تھی اور بالشویزم نے روس کو قید خانہ بنا دیا تھا۔ہم وہاں بھی نہیں لوٹ سکتے تھے۔اگر ہم جا بھی سکتے تو نہ جاتے۔ہم نے سوچا لیتھوانیا چلے جائیں گے اور فی الواقع ہم وہیں جا چکے ہوتے اگر ریگا میں آمد کے بعد ہماری ٹرین نہ چھوٹ گئی ہوتی۔

ہمارے دوست تسویتکوف نے ہماری ایک نہ سنی اس نے کہا کہ لیتھوانیا ایک پنجرہ ہے۔وہاں سے جرمنی میں داخلہ غیر ممکن ہے اور ہم ریگا بھی نہ لوٹ سکیں گے۔وہ ہمارے لئے کوئی خفیہ راستہ نکالے گا۔وہ اشیائے تجارت کی بار برداری کا کام کرنے والے کچھ لوگوں کو جانتا تھا جن میں چند سنڈیکلسٹ بھی تھے اور وہ جوڑ توڑ کر کے راستہ نکال لے گا۔لیکن کیا ایما یہ پسند کرے گی کہ اسے چوری چوری سرحد پار کرا دی جائے؟ میرے تو اس معاملے کی پیچیدگیاں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں لڑکوں کے برابر تکلیف نہیں اٹھا سکتی۔اس نے تڑ سے جواب دیا۔لیکن تمہاری کھکھار.....ہی تمہیں پار پہنچا دے گی۔میں نے اس پر سخت احتجاج کیا۔میری تریاہٹ سے بچنے کی غرض سے ہمارا دوست کوئی اور سبیل نکالنے میں لگ گیا۔مگر اس کی دوسری اسکیم بھی بلبلہ ثابت ہوئی.....ہم سب مقدر کے دھنی نکلے۔کیونکہ اگلے روز جو لیٹویا میں ہمارے قیام کا آخری دن تھا، سوئیڈن کا ویزا آ گیا جسے ہمارے اسٹاک ہوم کے سنڈیکلسٹ کامریڈوں نے حاصل کیا تھا۔مسٹر برانٹنگ جو سوشلسٹ وزیر اعظم تھا اپنے جرمن ہم منصبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ شائستہ نکلا۔

تسویتکوف اور مسز سی جوشا کول کی بہن کی سیکریٹری تھی وہ اتنے دنوں میں ہماری دوست بن چکی تھی اس نے ہمارے سفر کے لئے ایک بڑے سے ناشتے دان میں کھانا بھر کے دیا۔ہم ریلوے اسٹیشن روانہ ہو گئے تا کہ ٹرین پر سوار ہو جائیں جو ہمیں ریوال لے جاتی۔جب وہ چھٹی تو ہم نے اطمینان کی گہری سانس لی۔کچھ ہی عرصے کے لئے سہی کم از کم ہمارے ویزا کے مسائل ختم ہو گئے! مگر ٹرین بمشکل اتنی دور نکلی ہوگی کہ ہمارے دوست نظروں سے اوجھل ہو پائے تھے کہ ہم پر کھلا کہ ہم پر نگراں بھی مسلط ہیں۔یہ لیٹویا کی خفیہ پولیس کے تین افراد تھے۔انہوں نے ہمارے پاسپورٹ طلب کئے جنہیں انہوں نے فی الفور ضبط کر لیا اور یہ کہا کہ ہم زیر حراست ہیں۔ہمارے سفر کے دوران میں یکا یک کیوں خلل ڈالا جا رہا تھا اس پر ہمارا تمام احتجاج صدا بہ صحرا ثابت ہوا، حالانکہ وہ ریگا میں قیام کے دوران میں ہمیں گرفتار کر سکتے تھے۔گاڑی روک لی گئی اور ہمیں معہ اسباب کے اتار لیا گیا اور ایک منتظر کار میں ٹھونس دیا گیا۔پھر کسی پیچیدہ راستے سے ہمیں شہر لایا گیا۔اینٹوں سے بنی ایک عمارت کے سامنے کار رک گئی اور ہمارے تعجب کی انتہا نہ رہی جب چند فٹ کے فاصلے پر ہم نے اپنے گھر کو پہچان لیا جس میں تسویتکوف کے اپارٹمنٹ کے کمروں میں ہم مقیم تھے۔یہ سیاسی پولیس کا محکمہ تھا اور ہم ارباب اختیار کے داؤ پیچ پر اپنی ہنسی نہ روک پا رہے تھے جو انہوں نے ہمارے ''پکڑنے'' کے لئے کئے تھے جبکہ ہم سارا وقت 'قرب اتنا کہ تنفس کی لطافت محسوس' کے فاصلے پر موجود تھے۔

ایک ایک کر کے ہمیں اندرونی دفتر میں لے جایا گیا اور ''بالشویزم'' سے ہماری وابستگی کے متعلق سوال جواب ہوئے۔میں نے اہلکار کو بتایا کہ اگرچہ میں بالشویک نہیں ہوں مگر میں تم سے اس موضوع پر بات کرنے سے انکار کرتی ہوں۔یوں لگا جیسے اسے اندازہ ہو گیا کہ مجھے دھمکانا اور پھسلانا بے سود تھا۔اس پر اس نے حکم دیا کہ مجھے دوسرے کمرے میں پہنچا دیا جائے اور معاملہ بعد میں نمٹایا جائے گا۔

کمرہ اہلکاروں سے بھرا تھا، جو ادھر ادھر بیٹھے تھے، باتیں کر رہے تھے اور لگتا تھا کرنے کو کچھ نہ تھا۔میرے پاس ایک کتاب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھی اور میرے اختیار کردہ ملک میں پرانے زمانے کی طرح.....جس کو گزرے زمانہ گزر چکا تھا اور کتنا فاصلہ کٹ چکا تھا آج یوں لگتا ہے.....میں جلد ہی کتاب میں گم ہوگئی۔ مجھے یہ بھی نہ پتہ چلا کہ تمام افراد رخصت ہو چکے ہیں اور میں تنہا رہ گئی ہوں۔ایک اور گھنٹہ گزر گیا اور میرے دونوں ساتھیوں کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ میں قدرے بے چینی محسوس کرنے لگی اگرچہ میں متوحش نہ تھی۔ مجھے علم تھا کہ ساشا دشوار صورتحال سے نمٹنے میں مہارت رکھتا ہے اور شاپیرو بھی ان معاملات میں اناڑی نہیں ہے۔ وہ پولیس کا دیرینہ تجربہ رکھتا ہے۔ جنگ کے زمانے میں وہ لندن میں ایدیش زبان کے ہفت روزہ 'آربیٹر فراوینڈ' کا مدیر رہ چکا ہے۔ اس نے روڈلف روکر کی ادارتی ذمہ داریاں بھی اٹھائی تھیں۔ جوان دنوں مقید تھا۔ جلد ہی اسے گرفتار کر لیا گیا اور چھ ماہ کی قید ایسا مضمون چھاپنے پر کاٹنا پڑی جو کسی اور نے لکھا تھا۔ وہ بڑی فہم و فراست کا آدمی تھا اور ٹھنڈے مزاج کا تھا۔ مجھے اعتماد تھا کہ میرے دونوں دوستوں یا مجھے جو بھی ہوگا ہمیں کم از کم اپنے دفاع کرنے کا ضرور موقع ملے گا۔ یہ بیرونی دنیا کو بھی معلوم ہو جائے گا جس سے ہمارے نظریات کو فروغ حاصل ہوگا۔

کسی نے میرے انہماک میں خلل ڈال دیا۔ ایک گرانڈیل پولیس والی میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ میری تلاشی لے گی ''واقعی'' میں نے کہا۔ ان تین گھنٹوں میں جو میں نے یہاں انتظار میں گزارے ہیں وہ ان تمام شہادتوں کو مٹانے کے لئے کافی تھے جن پر پولیس کو شبہ ہے۔ میری دل لگی سے اس کی بے حسی پر کوئی اثر نہ پڑا۔ اس نے میرے پور پور کی تلاشی لی۔ لیکن جب اس نے اس سے آگے بڑھنے کی جسارت کی تو میں نے اسے تھپڑ رسید کر دیا اس پر وہ کمرے سے باہر نکلنے کو یہ کہتے ہوئے جھپٹی کہ میں مردوں کو بلا کر لاتی ہوں تا کہ کام پورا کیا جائے۔ میں نے مردوں کے استقبال کی خاطر کپڑے پہن لئے تا کہ ان کی حیا کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اس مرتبہ ایک آیا اور اس نے مجھے مدعو کیا کہ میں اس کے پیچھے ایک کوٹھری میں آؤں جسے اس نے مقفل کر لیا۔ وہ محسن مزاج تھا۔ اس نے نہایت خاموشی سے متصل کمرے کی جانب اشارہ سے ظاہر کیا کہ میرے دونوں دوست وہاں ہیں جس سے مجھے خوشگوار حیرانی ہوئی اور بڑا بوجھ اتر گیا۔ میں قید تنہائی میں تھی اس کے باوجود میں نے خود کو گزشتہ اکیس ماہ میں اتنا آزاد اور پرسکون نہ محسوس کیا تھا۔ میں اب کل کی پتلی نہ تھی، میں مختاری دوبارہ حاصل کر چکی تھی۔ میں اب اسی جگہ واپس پہنچ چکی تھی جہاں میں زمانہ ماضی میں تھی.....میدان کارزار میں.....اور میرے کامریڈ میرے نزدیک ہی تھے۔ انہیں مجھ سے ایک دیوار جدا کئے ہوئے تھی۔ مجھ پر گہرا سکون طاری تھا، آسودگی اور نیند۔

دوسرے دن تفتیش کی غرض سے مجھے نچلی منزل پر لایا گیا۔ ایک چوبیس پچیس سالہ جوان بہت متجسس لگ رہا تھا۔ وہ مجھ سے یورپ میں ہمارے خفیہ بالشویکی مقاصد کے متعلق کریدنے لگا۔ ہم ریگا میں اتنا عرصہ کیوں مقیم رہے۔ کن کن لوگوں سے ہم نے راہ و رسم رکھی اور ان دستاویز کا کیا حشر ہوا۔ جنہیں اس کی اطلاعات کے مطابق ہم چھپا کر ملک میں لائے تھے۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ بطور تفتیش کار اسے دولت اور شہرت کی تحصیل کے لئے دریاؤ علم درکار ہے جس کے لئے اسے در در کی خاک چھاننا پڑے گی تب کہیں جا کر ایسی گھاگ مجرمہ سے وہ کچھ اگلوا سکے گا جیسی اس کے سامنے بیٹھی ہے۔ میں نے اسے بتا دیا کہ میں اسے اپنے اعتماد میں نہیں لوں گی اگر اسے مطلوب اطلاعات میرے پاس موجود ہوتیں تب بھی۔ تاہم میں اس پر یہ فاش کر دینے کو تیار ہوں کہ میں بالشویک نہیں بلکہ ایک انارکسٹ ہوں۔ لگتا تھا جیسے ان کے درمیان پائے جانے والے فرق سے وہ ناواقف تھا اس لئے میں نے اسے انارکسٹ ادب تجویز کر دیا جو میں اسے ملک چھوڑ دینے کے بعد ارسال کرنے کا وعدہ کرتی ہوں۔ وہ چاہے تو مجھ سے اطلاعات کا تبادلہ کر سکتا ہے اور مجھے بتا دے کہ ہمیں کیوں گرفتار کیا گیا ہے اور کن الزامات کے تحت۔

اس نے وعدہ کیا کہ چند دنوں کے اندر ہی، حیرانی کی بات تو یہ تھی کہ وہ قول کا دھنی نکلا۔ کرسمس سے ایک دن پہلے وہ میری کوٹھری میں یہ بتانے آیا کہ ''بدقسمتی سے یہ غلطی ہوگئی'' میں اس مانوس اصطلاح پر بول پڑی۔ ہاں ایک بدقسمت غلطی' اس نے بھی وہی بات دہرائی۔ ''لیکن یہ تو تمہارے بالشویکی دوستوں کی ہے، میری حکومت غلط نہیں ہے۔'' میں نے اس کی چوٹ کا مضحکہ اڑایا۔ ''سویت حکومت نے تو ہمیں پاسپورٹ دیا اور ملک سے جانے کی اجازت دی۔'' اس نے جواب دیا۔ اس کا اس میں کیا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

فائدہ ہے کہ ہم تمہاری جیل میں بیٹھ جائیں؟ میں نے تقاضہ کیا۔ ''میں مملکتی راز افشا نہیں کر سکتا''۔ اس نے جواباً کہا۔ ''لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے۔'' ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ یہ بے مطلب گفتگو نہ تھی۔ اس کے بقول، ہمارا حق تو یہ تھا کہ ہمیں فوراً رہا کر دیا جاتا مگر چند خانہ پری کی جانا باقی تھیں لیکن تمام افسران بالا تعطیلات پر پہلے ہی جا چکے تھے۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا میں جناب مسیحؑ کی عمر سے زیادہ جیل میں زندگی بسر کر چکی ہوں، اور حقیقت حال یہ ہے کہ بہر صورت حضرت عیسیٰ خود کو اسی کوٹھری میں پائیں گے اگر وہ آج کی عیسوی دنیا میں آنے کی جسارت کرتے ہیں۔ وہ شخص اپنی جگہ بہت شرمندہ تھا جتنا وکیل سرکار بننے کا کوئی امیدوار ہو سکتا ہے۔

محافظ نے کرسمس کا سامان میرے لئے خریدا۔ وہ میرے لئے پھل، اخروٹ، کیک، کافی اور ٹین میں بند گاڑھا دودھ لے آیا، مگر میں متصل کمرے میں مقید اپنے دونوں دوستوں کے لئے بڑے دن کی دعوت تیار کرنا چاہتی تھی۔ ایک بخشش کے عوض عمر رسیدہ محافظ کا دل پسیج گیا اور اس نے اسی منزل پر واقع باورچی خانے کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ میں نے وہاں کافی دیر لگا دی اور حیلوں بہانوں سے اپنی کوٹھری میں آتی جاتی رہی اور گنگنائے جاتی ''مسیح اتر چکے ہیں، خوش ہو، اے لادینو!'' اور موقع پا کر اپنے پس دیوار دوستوں سے کلمات کا تبادلہ کر لیتی۔ دو نہایت عمدگی سے لپٹے پیکٹ اور ایک بڑی سی تھرماس بوتل جس میں بھاپ اٹھتی کافی بھری تھی انہیں محافظ نے میرے یاس کے ماروں تک پہنچایا جو میرے کمرے سے ملے کمرے میں پڑے تھے اور یہ سب کچھ اس کے اہل خانہ کے لئے ایک چھوٹے سے کرسمس تحفے کے بدلے ہوا۔

ہمیں بہت سی معافیاں پیش کر کے رہا کر دیا گیا۔ میرے دوستوں نے اپنے تجربات سے مجھے آگاہ کیا۔ ان کی بھی پور پور کی تلاشی لی گئی تھی۔ ان کے کوٹوں کی سیون ادھیڑ کر دیکھا گیا اور ان کے سوٹ کیس کی تہہ کو چیر کر خفیہ دستاویزات تلاش کی گئیں جوان کی دانست میں ہم لے کر جا رہے تھے۔ ان بیتاب چہروں کو دیکھنا ایک پر مذاق لگا جب ان کے چہروں پر چکرا دینے والی شرمندگی جھلکنے لگی۔ ساشا جو جیل کا دیرینہ باسی تھا اس نے نہ جانے کس طرح رات میں ماچس کی تیلیاں جلا جلا کر سامنے والے گھر میں فروکش ایک نوجوان سے رابطہ پیدا کر لیا جو وہاں کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس نے اس شخص کے لئے لکھ لکھ کر پرزے گرائے جن میں سے ایک اس نے اٹھا لیا یوں ساشا کو امید بندھی کہ ممکن ہے کہ اس شہر میں ہمارے دوستوں کو خبر مل جائے۔ شاپیرو نے تو بارہا کوشش کی تھی کہ دیوار تھپتھپا کر مجھ سے رابطہ پیدا کرے۔ میں نے جواب بھی دیا مگر وہ میرے پیغام کو نہیں سمجھ سکا۔ ''نہ ہی مجھے تمہاری بات سمجھ میں آئی، بڑے میاں۔ میں اعتراف کرتی ہوں آئندہ ہم لوگ کنجی بجا کر گفتگو کرنے کا ہنر سیکھ کر آئیں گے۔'' اگر میں اس کے قدیم روسی جیلوں والے اشارے نہ بھی سمجھ پائی تو بقول اس کے میں نے کم از کم چولھا تو گرم رکھا۔ ''اسے کھانا پکانے کا شوق ہے اور حوالات بھی اس پر پابندی نہیں لگا سکتے۔'' ساشا نے یہ تفسیر پیش کی۔

آخر کار ۲ جنوری ۱۹۲۲ء کو ہم ریوال، استھونیا سے رخصت ہو سکے۔ ریگا جیسے واقعات کی تکرار سے بچنے کی خاطر ہم براہ راست دخانی جہاز پر سوار ہو گئے حالانکہ کشتی کی روانگی اگلی صبح میں ہونا تھی۔ ہم نے فارغ وقت کا بہترین مصرف یہ نکالا کہ ہم نے اس عجیب وضع کے قصبے کی سیر کی جو ریگا کے بہ نسبت زیادہ قدیم اور جاذب نظر تھا۔

اسٹاک ہوم میں خوش قسمتی سے ہمارا استقبال غیر سرکاری تھا۔ نہ سپاہی اور نہ ہی کارکنوں کو ہمارے استقبال کے لئے لایا گیا۔ نہ ڈھول تاشے تھے اور نہ ہی تقاریر ہوئیں جیسا بیلائی۔ اوسترو ف میں ہوا تھا۔ وہاں صرف چند کامریڈ موجود تھے جو ہم سے مل کر واقعی خوش تھے۔ ہمارے اتالیق اچھے سے البرٹ اور الائس جینسن تھے۔ جو ہمیں بڑی کامیابی سے امریکی اخبارات کے نامہ نگاروں کے پایاب ریلے میں سے نکال لے گئے۔ حقیقت یہ نہ تھی کہ میں اپنے دشمنوں کے استقبالیہ کلمات سے محترز تھی جو میری روس کی سرگرمیوں کے متعلق کذب بیانی پر کمربستہ تھے۔ بلکہ میری ترجیح یہ تھی کہ میرے سویت تجربات کا غلط حوالہ نہ دیا جائے جب تک مجھے اس کا موقع نہیں مل جاتا کہ میں اپنے خیالات کا اظہار اپنی دستخط ثبت کر کے نہ کر لوں۔ اسٹاک ہوم میں سنڈیکلسٹ مطبوعات کا روزنامہ ''آربیٹارن'' اور انارکسٹ ہفت روزہ ''برانڈ'' شائع ہوتے تھے جو ہمارے خیالات کی طباعت

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کے لئے ہمیں دستیاب تھے۔ اخباری نمائندوں کو انٹرویو کرنے کی حاجت نہ تھی۔ اور ہم اپنے دوستوں کے ازحد ممنون تھے کہ انہوں نے ہمیں ان کے چنگل میں جانے سے بچالیا۔

برلن سے آنے والے خطوں میں اس کی وضاحت کی گئی تھی کہ ریگا میں جرمن کونسل جنرل نے کس طرح اپنی رائے بدل لی جبکہ اس نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہمیں ویزا جاری کر دیا جائے گا۔ اسے چیکا والوں نے متنبہ کر دیا کہ ہم لوگ خطرناک سازشی ہیں اور برلن میں منعقد ہونے والی انارکسٹ کانگریس میں کوئی خفیہ کارروائی کرنے جارہے ہیں۔ اسی سے اس پر بھی روشنی پڑی کہ لیٹویا کے اہلکار کیوں اس پر مصر تھے کہ ''ہمارے بالشویک دوست'' ریگا میں ہمارے مصائب کے پیچھے کارفرما تھے۔ لیٹوین حکومت ریگا میں ہماری موجودگی سے آگاہ تھی اور ہمارے قیام میں ہر اضافے کا یکے بعد دیگرے پولیس کے مقامی تھانے میں اندراج بھی کرایا گیا تھا۔ وہ ہمیں گرفتار کرنے کے لئے ہماری روانگی کا کیوں انتظار کرتے۔ اس کی صرف یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ روسی سفارتی مخبروں نے انہیں عین وقت پر اطلاع دی جو اس سے پہلے وہ ریگا کے جرمن کونسل کو دے چکے تھے۔ ہمارے تمام چھان بین کرنے والوں نے ہمیشہ اسی پر زور دیا تھا کہ ہمارے قبضے میں خفیہ دستاویزات ہیں۔ ہماری خلاف معمول تلاشیاں بھی اسی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ ہمارے کریملن کے خیرخواہ دوستوں نے ہمیں خوب بدنام کیا تھا۔

مجھے یہ احساس ہونے پر بڑا صدمہ ہوا کہ بالشویکی آسیب مجھ پر اب تک سوار تھا۔ میں اس درندے کو اچھی طرح جانتی بھی ہوں۔ اس کے باوجود میں نے لیٹویا کے حکام کی اس درپردہ الزام تراشی پر جو وہ ماسکو کے سویت لوگوں پر کر رہے تھے سخت احتجاج کیا۔ آئے دن کی بالشویک سیاسی بدکاریوں کے دوسالہ تجربات کے باوجود میں پھر بھی ایسی یسوعی (۱۵۳۴ء) خونخواری کو ان سے منسوب کرنا نہ چاہتی تھی..... کہ ایک ہاتھ سے پاسپورٹ دے کر دوسری جانب کسی اور ملک میں ہمارے داخلے کو ناممکن بنادیں۔ لیٹوینوف کی تسلی کا مفہوم اب اچھی طرح میری سمجھ میں آیا کہ ''سرمایہ دارانہ ممالک تمہیں قبول کرنے کے لئے بیتاب نہیں ہیں'' تو پھر انہوں نے ہمیں روس چھوڑنے کی اجازت کیوں دی۔ میں تو حیران ہوں۔ میرے ساتھیوں کا کہنا تھا کہ وجوہ واضح ہیں کہ ہمیں پاسپورٹ دینے سے انکار ساری دنیا میں زبردست احتجاج کا سبب بنتا جیسا کہ کروپوٹکن کے معاملے میں ہو چکا ہے۔ روس چھوڑنے کا درحقیقت اس کا ارادہ ہی نہ تھا مگر محض اس افواہ نے کہ اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جارہی اس امر نے ملک سے باہر تمام انقلابی اور لبرل دنیا کو برانگیختہ کر دیا اور کریملن پر سوالات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ لگتا ہے ماسکو اس مرتبہ اس نوعیت کے شوروغوغا کو دوبارہ دعوت دینا نہیں چاہتا تھا۔ روس میں ہماری گرفتاری سے بڑی بدنامی ہوتی۔ جبکہ دوسری جانب چیکا کو آمریت کے متعلق ہمارے موقف کا علم ہے اور تاگانکا بھوک ہڑتال کے سلسلے میں غیرملکی مندوبین سے احتجاج میں ہمارا کتنا ہاتھ تھا وہ اس سے بھی واقف ہے اس لئے ہمارا مزید آزاد رہنا ان کی برداشت سے باہر تھا۔ اس لئے ہمیں رخصت ہوجانے کی اجازت دینا بہترین حل تھا۔ بہتر یہ سمجھا گیا کہ فیاضی ظاہر کی جائے اور (R.S.F.S.R) کے حدود کے باہر ہمارے خلاف گھٹیا حرکات کی جائیں۔ ہمارے برلن والے مکتوب الیہان کا بھی یہی خیال تھا۔ ریگا کے جرمن کونسلر نے اپنے چچا معروف سوشل ڈیموکریٹ پاول کیمپمر کو یہی اطلاع دی کہ یہ سب بالشویک چیکا کا کیا دھرا تھا۔

ہمارے سویڈن کے انارکسٹ اور سنڈیکلسٹ۔ انارکسٹ کو یقین تھا کہ ہم ان کے ملک میں جب تک چاہیں رہ سکتے ہیں۔ ہم چاہیں تو کسی اور ملک کے بجائے وہیں قیام کریں اور اپنے روسی تجربات کے متعلق لکھنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنائیں۔ آربیٹارن ہمارے مقالوں کا منتظر تھا اسی طرح 'برانڈ' بھی۔ مگر ساتھ ہی اور میں بھی محسوس کر رہے تھے کہ امریکہ جو ہمارا پرانا وطن ہے اس کا حق پہلے تھا۔ وہ تیس سال تک ہماری سرگرمیوں کا مرکز رہ چکا تھا۔ اچھے یا برے وہاں والے ہمیں پہچانتے تھے۔ اس لئے سویڈن یا کسی اور ملک کے مقابلے میں ہماری رسائی وہاں کے قارئین کی بڑی تعداد تک تھی۔ تاہم ہم نے اس تجویز سے اتفاق کرلیا کہ 'آربیٹارن' اور 'برانڈ' کو انٹرویو دیں اور ان سیاسی کارکنوں کے لئے جو روس میں اسیر ہیں یا جلاوطن کر دیئے گئے ہیں ان کی حمایت میں اپیل شائع کرائیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آر یٹارن میں ہمارا پہلا مقالہ ہی شائع ہوا تھا کہ مسٹر برانٹنگ نے اپنی سیکریٹری کے ذریعہ سنڈیکلسٹ کمیٹی کو مطلع کرایا جس نے ہمارے لئے سویڈن کا ویزا حاصل کیا تھا کہ ''روسیوں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اخبارات میں اشاعت کرائیں۔'' برانٹنگ سوشل ڈیموکریٹ تھا اور بالشویکوں کا مخالف۔ لیکن وہ وزیر اعظم بھی تھا اور ان دنوں روسی حکومت کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کے لئے بات چیت چل رہی تھی۔ ایک اور وجہ یہ تھی کہ بالشویکی اس میں لگے ہوئے تھے کہ سوشل ڈیموکریٹ سے مل کر ایک محاذ بنالیا جائے جن کی وہ کل تک یہ کہہ کر مذمت کر رہے تھے کہ یہ سماجی غدار اور انقلاب دشمن ہیں۔ اس کے علاوہ رجعت پسند اخبارات نے برانٹنگ کے خلاف ایک ملامتی مہم شروع کر دی تھی کہ وہ انارکسٹوں اور بالشویکیوں کو سیاسی پناہ دے رہا ہے۔ آخر الذکر الزام میں اینجلیکا اور بالابانوف کی طرف اشارہ تھا جو ان دنوں سویڈن میں تھی۔ ہمیں مطلع کیا گیا کہ ہمارے ویزے میں ایک اور مہینے کا اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن اس مدت کے گزرنے پر ہم سے توقع کی جا رہی ہے کہ ہمیں اپنے انقلابی تلوؤں سے سویڈن کی خاک جھاڑنا ہوگی۔ غریب برانٹنگ ہمیں لگا فکرمند ہے کہ کسی طرح جلد از جلد ہماری روانگی طے ہو جائے تا کہ اپنے خلاف اٹھنے والے طوفان کا کسی طرح منہ موڑ سکے۔ یہ بھی درست ہے کہ وہ ہمیں کھدیڑنے والا نہ تھا، اس کی سیکریٹری نے ہمارے لوگوں کو اطمینان دلایا۔ لیکن ہمیں اپنی رہائش کے لئے کوئی اور ملک تلاش کر لینا چاہئے۔

آدھے درجن ممالک میں ہمارے کامریڈ ہمارے لئے سیاسی پناہ حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ ہمارے برلن کے دوست بھی بہت زور لگا رہے تھے۔ آسٹریا میں ہمارے پرانے کامریڈ ڈاکٹر میکس ٹلاو ہماری طرف سے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ چیکوسلوکیہ میں کچھ اور لوگ ویزا کے حصول کے لئے کام کر رہے تھے، اسی طرح فرانس میں۔ چھوٹے ممالک میں ناامیدی تھی۔ ڈنمارک اور ناروے پہلے ہی ہمارے کامریڈوں کو ہری جھنڈی دکھا چکے تھے کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔

حالات نہایت مایوس کن تھے جنہیں کئی اور معاملات نے بدتر بنا دیا تھا۔ اسٹاک ہوم کے ہوٹل میں ہمارے قیام نے مہینہ بھر ہی میں بود و باش کے اخراجات نے ہمارا دیوالیہ نکال دیا تھا۔ مہمان نواز جینسن نے اپنے دو کمروں کے اپارٹمنٹ میں شریک ہونے کی پیشکش کی جسے میں نے یہ سوچ کر قبول کر لیا کہ مختصر عرصے کے لئے ہے۔ ساشا کو سویڈن کے ایک گھرانے میں جگہ ملی جو ان کے لئے بھی ناکافی تھی۔ اس نے تاسف ظاہر کیا کہ ہم نے اس کے اصل منصوبے پر عمل نہ کیا جس میں منسک کا راستہ اختیار کرنا پڑتا۔ میں نے ماسکو سے پاسپورٹ مانگنے کی حماقت کی تھی۔ چاہے کچھ ہو جائے وہ ویزا کے حصول کے لئے کوئی اور درخواست نہ دے گا اور اس نے اٹل فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر یہاں سے رخصت ہو جائے گا اور کسی بھی ملک میں بلا اجازت داخل ہو جائے گا۔ میں جو چاہوں کر سکتی ہوں اس نے فیصلہ سنا دیا۔

یہاں کوئی اور بات ہو گئی تھی جو ہمارے درمیان نزاع کی وجہ بن چکی تھی۔ سوال یہ تھا کہ روس کے بارے میں اپنے سلسلہ ہائے مضمون کو میں 'دی نیویارک ورلڈ' کو برائے طباعت دیتی ہوں یا نہیں۔ اسٹیلا نے مجھے تار بھیجا تھا کہ دی ورلڈ میرے روسی تجربات کی کہانی کو شائع کرنے کے واسطے بیتاب ہے۔ ریگا میں مجھے ورلڈ کا نمائندہ اس بابت بتا چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے اخبار نے متعدد بار مجھ سے رابطہ کرنے کی کوششیں کی تھیں جب میں ابھی ماسکو میں تھی۔ یہ اطلاع اگر مجھے وہاں مل جاتی اور میرے لئے روس (R.S.F.S.R.) سے ایک مضمون بحفاظت بھیجنا ممکن ہوتا تو بھی میں ایک سرمایہ دار اخبار کے لئے اتنے اہم موضوع یعنی روس پر لکھنے سے انکار کر دیتی۔ اسی طرح آج بھی مجھے اس پیشکش کو قبول کرنے میں تذبذب تھا جو اسٹیلا کی معرفت وصول ہوئی تھی۔ میں نے اسے لکھا کہ میں اپنی بات کہنے کے لئے ریاست ہائے متحدہ کے لبرل اور محنت کشوں کے کسی اخبار کو ترجیح دوں گی۔ اور یہ بھی کہ میں اپنے مقالات کو بغیر کسی معاوضے کے شائع کرانا پسند کروں گی بجائے اس کے کہ اسے نیویارک ورلڈ یا کوئی ایسا ہی اشاعتی ادارہ چھاپے۔

اسٹیلا نے ''فری مین'' میں ماریا اسپری دونونا کی شہادت پر ایک مقالے کو آزمایا۔ اسے انکار کر دیا گیا۔ دیگر امریکی لبرل اخبارات نے بھی ایسی ہی ناروا داری دکھائی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس پر اشمیلایت کا ٹھپہ لگنے کے بعد میرا منہ بالشویک کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سوال پر بھی بند کیا جائے گا۔ میں کافی عرصے سے خاموش تھی۔ میں انقلاب کی قتل وغارتگری دیکھ چکی تھی اور میں اس کی موت جیسی کھڑکھڑاہٹ بھی سن چکی ہوں۔ میں نے ان شہادتوں کا بھی اندازہ لگایا ہے جو بالشویکی جرائم کے پہاڑ کو روزانہ اونچا کر دیتے تھے۔ میں آمریت کے چہرے پر پڑی دکھاوے کی انقلابی نقاب کو بھی سرک کر گرتے دیکھ چکی ہوں۔ گزشتہ دو سال تک اس کے علاوہ میں نے کیا کیا سوائے سینہ کوبی کے ''میں گناہ کرتی رہی، گناہ'' جب میں امریکہ میں تھی تو سوچا کرتی تھی کہ میں ''بالشویکوں کے حقائق'' لکھوں گی اور اپنی مخلصانہ اور لاعلمی کی ناسمجھی میں ان کی حمایت کروں گی اور سینہ سپر ہو جاؤں گی کیونکہ وہ انقلاب کے حامی و ناصر ہیں۔ اب چونکہ میں سچ سے واقف ہوں، کیا مجھے اب بھی مجبور کر کے اسے ذبح کرنے کو کہا جا سکتا ہے اور خاموش رہنے کو کہا جا سکتا ہے؟ نہیں مجھے احتجاج کرنا ہوگا۔ مجھ پر واجب ہے کہ اس مہیب فریب اور نمائشی عدل وانصاف کا پردہ چاک کر دوں اور خوب چیخ وپکار کروں۔

یہی بات میں نے ساشا اور شاپیرو سے بھی کہی۔ ان کا ارادہ بھی کوئی بات چھپا کر رکھنے کا نہ تھا اور یہ بھی درست ہے کہ ساشا پہلے ہی واقعات کا سلسلہ ضابطہ تحریر میں لا چکا تھا جس میں بالشویک عہد کے مختلف ادوار پر گفتگو کی گئی تھی اور وہ انارکسٹ مطبوعات میں شائع ہو رہے تھے لیکن اس کا اور شاپیرو کا یہ کہنا تھا کہ میرے بیان پر محنت کش اعتبار نہ کریں گے اگر یہ کسی سرمایہ دارانہ اخبار میں چھپا جیسے نیویارک ورلڈ۔ میں نے شاپیرو کے اعتراض کو اس لئے اہمیت نہ دی کیونکہ وہ قدیم فرقہ وارانہ مکتب کا پیروکار تھا جو ہمیشہ سے اس خیال پر تیوری چڑھانے لگتا اگر بلغ ژوا مطبوعات میں انارکسٹ تحریریں چھاپنے کی بات نکلتی۔ اگرچہ ہمارے تمام ممتاز کامریڈ یہی کر چکے تھے مگر ساشا کو معلوم تھا کہ محنت کشوں کی اکثریت امریکہ میں بالخصوص سرمایہ دارانہ اخبارات کو چھوڑ کر کچھ اور نہیں پڑھتے۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے اذہان کو وہ اس طرح صاف کرنا چاہتا تھا کہ وہ انقلاب اور بالشویزم میں فرق کر سکیں۔ اس کے رویے سے مجھے بہت رنج ہوا اور ہم کئی دن تک بحث مباحثہ کرتے رہے۔ ماضی میں میں بارہا 'نیویارک ورلڈ' کے لئے لکھ چکی ہوں اور ایسی ہی دیگر مطبوعات کے واسطے بھی۔ کیا یہ اتنا اہم نہ تھا کہ آپ کون سی بات کہاں کہتے ہیں؟ ساشا اڑا ہوا تھا کہ اس اصول کا اطلاق یہاں نہیں ہوتا۔ میں جو چیز بھی سرمایہ دارانہ اخبارات میں شائع کراؤں گی اس کا رجعت پسندوں کے ہاتھوں روس کے خلاف استعمال ناگزیر تھا۔ اور اس نکتے پر اپنے ہی کامریڈوں کی ملامت اپنی جگہ جائز ہوگی اور میں اس سے آگاہ ہوں۔ کیا میں خود ہی قدیم انقلابی بریشکوفسکایا کو بلغ ژوا کی دعوت پر بولنے پر مذمت نہیں کر چکی؟ ہمارے کامریڈ میرے خلاف جو بھی کہیں وہ اتنی ندامت اور دل آزادی کا باعث نہ ہوگا جتنی تکلیف مجھے اس عدالت میں بیٹھ کر ہوئی تھی جو بڑی بی (بابشکا) کے مقدمے کی سماعت کے لئے قائم ہوئی تھی۔ اس کی حیات مستعار کے پچاس سال تو انقلاب لانے کی تیاریوں میں صرف ہوئے اور نتیجے میں یہ دیکھنے کو ملا کہ کمیونسٹ پارٹی اپنے سیاسی مقاصد کے لئے اس کا استحصال کر رہی ہے۔ اس نے اپنی نظروں سے طغیانی دیکھی جب میں اس سے ہزاروں میل کے فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور میں نے بھی اس پر ہونے والے پتھراؤ میں حصہ لیا جن دنوں وہ امریکہ میں تھی۔ صرف یہی وجہ ہے جو مجھے بولنے پر مجبور کر رہی ہے۔ لیکن ساشا مجھ سے کہے جا رہا تھا کہ ہم دیگر ذرائع بھی استعمال کر سکتے ہیں جس میں دستی اشتہار بھی ہے جنہیں ہمارے کامریڈ تقسیم کر دیں گے۔ وہ ایسے کئی ایک پر کام کر رہا تھا اور اس کے متعدد مضامین پہلے ہی اخبارات میں شائع ہو چکے تھے۔ ان میں سے تین تو 'نیویارک کال' میں طبع ہو چکے تھے جو سوشلسٹ روزنامہ تھا۔ میں بھی ایسا کیوں نہیں کر سکتی؟ امریکہ میں انٹرنیشنل ایڈفیڈریشن کے کامریڈ بھی مصر تھے کہ روسی حالات پر ہمارے مشاہدات ان ہی ذریعوں سے پیش کئے جائیں۔ انہوں نے تار ارسال کئے اور بذریعہ تحریر زور دے کر کہا کہ مجھے سرمایہ دارانہ صحافت کے لئے لکھنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ ان کی مذمت نے مجھے شل کر دیا۔ مگر ساشا کا معاملہ جدا تھا۔ وہ زندگی بھر کی رزم آرائی میں عسکری رفیق رہا ہے اور ہزاروں لڑائیوں میں شانہ بشانہ لڑنے والا تھا جس کی بھٹیوں میں ہم تپتے رہے اور ہماری روحیں آزمائشوں میں سے گزری تھیں۔ روس میں ہماری ایک مسئلے پر راہیں جدا ہو گئیں اور سوال تھا ''انقلابی ضرورت کا''۔ ہمارے مابین کبھی کوئی دراڑ نہ پیدا ہوئی شائید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں طویل عرصے تک اپنے موقف کے متعلق غیر یقینی سے دوچار

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

رہی۔ کرونشتادنے ہمارے ذہنوں کو صاف کر دیا جس سے ہم لوگ پھر سے قریب تر ہو گئے۔ یہ بڑے رنج کی بات تھی کہ مجھے ایسا موقف اختیار کرنا پڑ رہا تھا جو میرے دوست کے نقطہ نظر سے قطعاً مختلف تھا۔ اس نزاع نے طول پکڑا اور دن بدل کر ہفتے بنتے چلے گئے جو جان لیوا زندگی نے میرے نصیب میں لکھا تھا۔ اگرچہ یہ فکری اذیت میرے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی مگر یہ میرا حق ہے کہ میری بھی سنی جائے چاہے یہ زندگی کی آخری ساعت ہو۔ بالآخر میں نے اسٹیلا کو بحری تار ارسال کیا کہ ان مضامین کو نیویارک ورلڈ کو دے دیا جائے جو تعداد میں کل سات تھے۔

مجھے اس فیصلے کے سبب مکمل تنہائی کی تلخی نہ برداشت کرنا پڑی۔ ہمارے عالی مرتبت خرانٹ گرو مان انریکو، مالاٹیسٹا، روڈولف روکر، لندن کا فریڈم گروپ، البرٹ اور الا ایس جینسن، ہیری کیلی کے علاوہ دیگر دوستوں اور کامریڈوں نے بھی جن کی رائے کا میں احترام کرتی ہوں میرے موقف پر صاد کیا۔ حالات کچھ بھی ہوں مجھے تو سوئے دار سفر کرنا تھا' قبرستان کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے۔ لیکن ان کی حمایت میرے لِئے بمنزلہ مرہم تھی۔

میں اتنی دور تھی کہ میرے مضامین کی اشاعت نے کمیونسٹوں کی صفوں میں جو برہمی پیدا کی یا ان کے مہلک زہر کا جو اثر ہوا وہ میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر میرے خلاف منعقد ہونے والے کمیونسٹوں کے جلسوں کی جو روداد یں مجھے بھیجی گئیں اور ان کے اخبارات سے مجھے ان خون کے پیاسوں اور جنوبی علاقوں میں حبشیوں کا بے دھڑک قتل عام کرنے والوں سفید فاموں میں گہری مشابہت نظر آئی۔ ایسے مواقع انسان کو روحانی سرفرازی مہیا کرتے ہیں۔ ایک جلسہ جس کی صدارت روز پاسٹر اسٹوکس نے کی تھی جو ایک زمانے میں ای۔ جی کے روبرو زانوئے تلمذ سمیٹ کر بیٹھا کرتی تھی......آج رضا کاروں کو اکسا رہی تھی کہ وہ اتنا تو کریں کہ ای۔ جی کے پتلے کو جلا کر بھسم کر دیں۔ نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھیئے! کرسی صدارت پر براجمان خاتون کو دیکھیئے جو کس لحن سے انٹرنیشنل اور ایسے بدمست سامعین کو آمادہ پیکار کر رہی تھی جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ان شعلوں کے گرد جو ایما گولڈ مان کا جسم چاٹ رہے تھے، حریت خیز دھن پر وحشیانہ رقص کر رہے تھے۔

وہی گھسی پٹی الزام تراشی کہ میں اپنے انقلابی ماضی سے حلفاً منحرف ہو چکی ہوں۔ ایسے لوگ الزامات عائد کر رہے تھے جن کے پاس منحرف ہونے کے لِئے سرے سے کوئی ماضی نہ تھا۔ اس کے باوجود مجھے کوئی فکر نہ تھی۔ جس چیز نے مجھے واقعی تکلیف دی وہ یہ تھی کہ نیویارک ورلڈ نے میری ادبی کاوش کا اتنا بلند و بالا نرخ نہ لگایا جتنا میرے کمیونسٹ مداحوں نے لگایا تھا۔ اس نے مجھے معمولی سی رقم مثلاً تین سو ڈالر فی مقالہ معاوضہ ادا کیا یا اکیس سو ڈالر پورے سات مضامین کے سلسلے کے۔ جبکہ کمیونسٹوں کے منادی یہ قوالی کر رہے تھے کہ غدار ای۔ جی کو تیس ہزار ڈالر ادا کِئے گئے ہیں۔ کاش یہ سب کچھ سچ ہوتا! اس کا، کچھ حصہ روس کے سیاسی ستم رسیدہ لوگوں کے لِئے بچا لیتی جو وہاں کی جیلوں میں سردی، بھوک اور مایوسی کا شکار تھے یا انہیں بالشویکی جنت کی جانب دربدر کیا جا چکا ہے۔

سویڈن کے سنڈیکلسٹ کے دباؤ کے تحت برانٹنگ نے ہمارے قیام کی مدت میں مزید ایک ماہ کا اضافہ کر دیا مگر یہ آخری مرتبہ تھا۔ کسی اور ملک کا ویزا ملنا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لِئے ساشا اور شاپیرو نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لینے کا فیصلہ کر لیا۔ آخر الذکر جلد ہی رخصت ہو گیا اور ساشا اس کے بعد روانہ ہونے جا رہا تھا۔ چیکوسلاوکیہ میں ہمارے ایک کامریڈ نے میرے لِئے پراگ میں ویزا کا بندوبست کر لیا جس پر میں نے ساشا سے التجا کی کہ وہ ہمارے دوست کو اس کے لِئے بھی ایسا ہی انتظام کرنے دے۔ مگر اس کے ذکر ہی سے وہ برافروختہ ہو گیا۔

ساشا کسی بھٹکتی ہوئی اسٹیمر میں غیر قانونی سفر پر روانہ ہونے لگا لیکن اس سے پہلے کہ کشتی اسٹاک ہوم بندرگاہ سے باہر نکلتی مجھے آسٹریا کے کونسل نے اطلاع بھجوائی کہ ہمیں ویزا منظور کیا جاتا ہے۔ مارے دہشت کے کہ کشتی کی روانگی سے پہلے ہی ویزا میرے ہاتھ میں ہو میں نے اس کی پرواہ نہ کی کہ ڈرائیور حد رفتار کو توڑ دیتا ہے۔ میں نے وہاں تینوں کے لِئے ویزا تیار پایا لیکن اس کے ساتھ آسٹریا کے وزیر خارجہ کی ایک شرط بھی منسلک تھی کہ ہم ایک تحریری وعدہ کریں کہ ہم اس ملک میں کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لیں گے۔ میرا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور مجھے اعتماد تھا کہ دونوں لڑکے بھی اس سے اتفاق کریں گے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تاہم میں ایک کی چوری چھپے روانگی اور دوسرے کی فوری روانگی کا راز نہ افشا کر سکی۔ میں اپنے کامریڈوں سے صلاح مشورہ کروں گی، میں نے کونسل کو بتا دیا اور جواب کے ساتھ کل آؤں گی۔ یہ صریح جھوٹ بھی نہ تھا کیونکہ ساشا کو جا لینے کا میرے پاس اب بھی وقت تھا۔ شہر کو برفانی طوفان نے آلیا اس لئے کشتی کو اڑتالیس گھنٹوں کے لئے روک لیا گیا۔ جس سے مجھے موقع مل گیا کہ میں ساشا کو آسٹریین ویزے کے متعلق سندیسہ بھیجوں اور اس سے منسلک اڑچن کا ذکر کر دوں۔ مجھے توقع نہ تھی کہ وہ اسے قبول کر لے گا لیکن میں سمجھتی تھی کہ اسے اس کی اطلاع ہونا چاہئے۔ سویڈن کے ایک نوجوان دوست جو میرے اسٹاک ہوم میں قیام کے تاریک دنوں میں ڈھارس بندھانے والا واحد ہمدم تھا یہ پیغام لایا کہ ساشا نے اپنی منزل طے کر لی ہے اور وہ اس سے منہ نہ موڑے گا۔ میں گودی کے گرد و نواح میں سخت برفباری کے عالم میں منڈلاتی رہی تا کہ چور مسافر کو تلاش کر لوں جسے مقدر نے میرے رگ و ریشے میں حلول کر دیا ہے۔

ساشا کی روانگی کے ہفتہ بھر بعد میں نے بھی کسی بھی خفیہ راستے سے نکلنے کی ٹھانی۔ نوجوان ساتھی میرے ہمراہ تھا۔ میں سویڈن کے جنوبی سمت اس امید میں روانہ ہوئی تا کہ ڈنمارک میں چوری چھپے داخل ہونے کا کوئی وسیلہ نکل آئے۔ میرا دوست چند ایسے ملاحوں سے واقفیت رکھتا تھا جو تین سو کرونا کے عوض میری مدد کر سکتے تھے یہ رقم سوڈالر کے برابر بنی تھی۔ عین وقت پر انہوں نے اپنا مطالبہ دگنا کر دیا۔ ان پر سے میرا اعتبار جاتا رہا اور ہم نے منصوبہ ترک کر دیا۔ ہمیں ایک ایسا شخص ملا جس کے پاس موٹر کشتی تھی۔ ہمیں ہدایت دی گئی کہ ہم نصف شب سے پہلے پہلے اس پر سوار ہو جائیں۔ ''محترمہ کو اس وقت تک کمبل کے نیچے پٹ لیٹنا پڑے گا جب تک انسپکٹر معائنہ کر کے نہیں چلا جاتا۔ میں نے وہی کیا۔ مگر یہ انسپکٹر نہ تھا بلکہ ایک پولیس والا نکلا۔ ہم نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم محبت کرنے والے ہیں اور فلاش ہیں اس لئے ہم نے کشتی پر پناہ لے رکھی تھی۔ وہ رحمدل آدمی نکلا۔ اس کے باوجود وہ ہمیں گرفتار کرنا چاہتا تھا یہاں تک کہ فیاض بخشش نے اس کا ارادہ تبدیل کر دیا۔ اپنی فی البدیہہ کہانی پر میری ہنسی نہ رکتی تھی کیونکہ یہی صورتحال کی عکاسی کر رہی تھی۔

اس طرح کام بگڑنے پر میرے دوست کا منہ اتر گیا۔ میں نے اسے یہ کہہ کر تسلی دی کہ میں ہمیشہ کی خانماں برباد سازشی ہوں اور اس پر خوش ہوں کہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ تاہم اس سے مجھے کچھ فائدہ ہی پہنچا..... اس سے مجھے یہ موقع ملا کہ میں نے سویڈن کے گرم خطے کو دیکھ لیا اور دارالخلافہ کے مقابلے میں زیادہ حسین عورتوں کو بھی دیکھا اور..... یہ بھی..... نفیس کھانوں کی چالیس نئی اقسام جو عمدہ خوراک کے خوش ذوق کی رال بھی ٹپکا سکتی ہیں۔

جب میں اگلے روز اسٹاک ہوم پہنچی تو مجھے جرمن کونسل کا خط ملا۔ مجھے دس دن کے قیام کا ویزا منظور کیا گیا تھا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۵۴

جرمنی کی سرحد میں مجھے یوں لگا جیسے میں کسی عاشق کے بازوؤں میں چلی گئی ہوں جب دو جرمن حکام نے جن کی قیصر ولیم جیسی مونچھوں میں کسی غرور کی کمی نہ آنے پائی تھی جو اس کے ہم نام کی شرمناک رسوائی کا باعث ہو چکی تھی۔ وہ بڑی عجلت میں مجھے ایک تنہائی والے آفس میں لے آئے۔ یہاں مجھے ایسی دستاویز دیکھنے کا موقع ملا جس میں میری زندگی کے حالات درج تھے، قریب قریب پنگوڑے کے دنوں سے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے گھنٹہ بھر سوال جواب کر کے دق کیا۔ میں نے انہیں جرمن روایت کے مطابق اتنے تفصیلی کوائف رکھنے پر مبارکباد دی جس میں میں بھی کوئی اضافہ نہیں کر سکی۔ جرمنی میں داخل ہونے کے بعد میرے کیا عزائم تھے؟ بلاشبہ ایک عزت ماب لکھ پتی کنوارے کی تلاش جو ایک حسین نوجوان عورت کو بیوی این فریشس فراو این سحر (یہ کمرہ شریف زادیوں کا ہے) بنا لینے کا متمنی ہو۔ میرے ویزا کی میعاد ختم ہونے پر میں اسی غرض سے چیکو سلاواکیہ چلی جاؤں گی۔ وہ قہقہہ مار کر ہنسے اور چند خوشگوار جملوں کے تبادلے کے بعد مجھے ٹرین میں سوار کرانے واپس لے آئے۔

میرے کامریڈوں کی پانچ ماہ کی مہم جوئی کے بعد میں جرمنی میں داخل ہونے کے قابل ہو سکی۔ میں برلن پہنچ گئی۔ اس بات کی مجھے کوئی خاص امید نہ تھی کہ مجھے میزبان کامریڈوں کے مقابلے میں اپنے قیام کو طول دینے میں کامیابی ہو گی۔ میں نے چیکو سلاواکیہ کو آخری حربے کے طور پر قبول کیا تھا...... جو میرے لِئے جائے پناہ بن جاتا۔ وہاں میرے نہ دوست تھے اور نہ ہی کسی سے تعلقات جس کامریڈ نے میرے لِئے ویزا حاصل کرنے میں مدد کی تھی وہ ملک سے رخصت ہونے والا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں تمام ایسے لوگوں سے جدا ہو جاؤں گی جو میرے لِئے اہم ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں بود و باش کے اخراجات زیادہ تھے مگر جرمنی کے اندر میں مانوس مقام پر تھی۔ اس کی بولی میری مادری زبان تھی۔ میری ابتدائی تعلیم جو چاہے معمولی سی ہو میں نے اسی ملک میں حاصل کی تھی اور میری فطرت ثانیہ پر جرمنی کا اثر تھا۔ سب سے بڑھ کر یہاں ایک طاقتور انارکسٹ اور انارکو۔ سنڈیکلسٹ تحریک موجود تھی جس میں شائید میں بھی قدم جما لوں۔ میرے دوست مِلی اور روڈولف روکر اور دیگر عزیز کامریڈ برلن ہی میں مقیم تھے۔ میں یہیں قسمت آزمائی کروں گی اور اگر مجھے جانا ہی پڑا تو یہ سب کچھ بغیر لڑائی کے نہ ہو گا!

اس وقت سب ہی حیران رہ گئے جب خارجہ امور کے دفتر نے میرے قیام میں ایک ماہ کی توسیع کر دی۔ اس مدت کے ختم ہونے پر مجھے اطلاع دی گئی کہ دو ماہ مزید کی توسیع کر دی گئی ہے اور مجھے وزارت خارجہ کے دفتر آنا ہو گا۔ میں نے سیکریٹری کو ایک شخص سے گفتگو میں منہمک دیکھا جو دیکھنے میں روسی لگ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے موصوف اپنے وطن لوٹ رہے ہوں۔ سیکریٹری اسے دروازے تک رخصت کرنے آیا اور اس سے کہنے لگا کہ واپسی میں مچھلی کے انڈے (کیوی یار) اور این پیلیس لانا نہ بھولے۔ اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا جس میں قدیم پروسین شائستگی جھلک رہی تھی۔ میرے یہاں آنے کا کیا مطلب ہے، وہ چلایا جبکہ میں بتا چکا ہوں کہ مجھے مہینہ ختم ہونے پر یہاں سے رخصت ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا تمہاری میعاد کل ختم ہو رہی ہے اس لِئے مجھے فوراً رخصت ہو جانا چاہئے نہیں تو مجھے بزور سرحد کے پار دھکیل دیا جائے گا۔ اس کے بدلے تیور نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ماسکو اور برلن کے حکمراں مجھے کھدیڑنے پر تلے ہیں۔ جو شخص ابھی اٹھ کر گیا ہے ہو نہ ہو وہ چیکا کا اہلکار تھا۔

اس کے باوجود میرے لِئے طیش میں آنا نامناسب تھا۔ میں نے بیگمات جیسے باوقار لب و لہجے میں کہنا شروع کیا جتنا اس وقت میرے لِئے ممکن تھا کہ مجھے مزید دو ماہ کا قیام منظور کیا جا چکا ہے اور اپنے پاسپورٹ پر اس کا ٹھپہ لگوانے آئی ہوں۔ اسے اس

سلسلے میں کچھ نہیں معلوم اور اگر اسے کچھ معلوم بھی ہوتا تو بھی وہ مجھے کوئی توسیع نہ دے گا۔ اس نے فیصلہ سنا دیا۔ میرے لئے بہتر ہے کہ خاموشی سے ملک چھوڑ دوں نہیں تو ٹھوکریں مار کر نکال دیا جائے گا۔ اس پر میں نے جواب میں کہا اس صورت میں تمہیں کئی آدمی بھیجنے ہوں گے تا کہ اٹھا کر مجھے باہر پھینکیں۔ میری گرم گرم باتوں سے وہ حیران پریشان ہو گیا اور میں اسی حالت میں اسے چھوڑ کر ریشاگ (پارلیمنٹ) روانہ ہو گئی تا کہ اپنے مدعو کرنے والے کو تلاش کروں۔ انہوں نے مجھے تین گھنٹے انتظار میں بٹھائے رکھا وہ امور مملکت میں الجھے ہوئے تھے اس لئے ملاقات ممکن نہ تھی۔ میری ذہنی حالت بے چینی کا شکار تھی۔ لیکن جلد ہی میں اپنے مصائب فراموش کر کے ان مضحکہ خیز حرکات کو دیکھنے میں منہمک ہو چکی تھی جن کو جان موسٹ ''کٹھ پتلیوں کا گھر'' کہا کرتا تھا۔

ارکان اسمبلی کا چائے کے کمرے میں غول در غول آنے سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس مقدس ادارے کا ماوا و ملجا یہی ہے۔ وہاں پرستولن اور سلازبیئر کی بوتلوں اور ٹین کے ڈبوں کے ڈھیر میں اور سگار کے دھوئیں کے ملگجے میں جرمن عوام الناس کے مصائب اور بہبود کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ جبکہ قانون سازی کے ہال میں کوئی صاحب وقت کی قلت پر اظہار خیال کر رہے تھے جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس وقت تک مورچہ سنبھالے رہیں جب تک ان کا سیاسی گروہ اتنا چھک نہ جائے کہ واپس آ کر مخالفین کا سر نہ پھاڑ ڈالے۔ یہ ایک ایسی تفریح تھی جسے آج تک نہ دیکھنے کا مجھے بہت افسوس ہوا۔

دن بھر کی محنت مشقت تمام ہوئی۔ میرا مربی میری جانب مڑا۔ خارجہ امور کے دفتر میں میری گفتگو کی روداد سن لینے کے بعد اس نے فون اٹھایا۔ دلائل میں حرارت پیدا ہونے لگی۔ دوران گفتگو میں ٹیلیفون کی دوسری جانب والے شخص کو بتایا گیا کہ اس کے افسر اعلیٰ کو یہ اطلاع دی جائے گی کہ ''ای۔ جی۔ کرشنر کو دی جانے والی توسیع کی ہدایت کو تم نے دبانا چاہا۔'' لگا جیسے دھمکی موثر رہی، وہ اس طرح ظاہر ہوا کہ ''ٹھیک ہے، پھر.....ہم سمجھتے ہیں تم معاملہ فہم ہو۔'' اگلی صبح میں میرے پاسپورٹ پر مزید دو ماہ کے قیام کا ٹھپہ لگا دیا گیا۔

ستانے کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ مجھے اتنا دوڑایا گیا تھا کہ میں سمجھتی تھی کہ میرا پور پور دکھ رہا ہے اس لئے اپنی چھت تلے مجھے آرام کی سخت ضرورت تھی۔ مجھے قدرے سکھ چین کی ضرورت تھی تا کہ میں روس کے بابت اپنی کتاب شروع کرنے کے لئے خیالات یکجا کر سکوں۔ مجھے زردی مائل بالوں اور نیلی آنکھوں والے نوجوان کی یاد ستانے لگی جس کی ملائم جانثاری اسٹاک ہوم میں میرے ساڑھے تین ماہ کے قیام کے زمانے میں واحد سہارا تھی۔ میں اس کو بلا لوں گی اور دو ماہ تک ذاتی زندگی بسر کروں گی کیونکہ میری پوری زندگی میں ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ میں اپنی ذات کے لئے جیوں۔ آس فضول تھی! اس کا مجھے اسی وقت اندازہ ہو گیا جب میں اپنے دوست سے ریلوے اسٹیشن پر ملی۔ اس کی حسین آنکھوں میں دوستی کی روشنی ماند نہ پڑی تھی۔ لیکن جس چمک نے میری روح کو فروزاں کر دیا تھا وہ غائب تھی۔ وہ تو یہ سمجھنے آیا تھا جو میں ایک عرصے سے جانتی تھی اس کے باوجود میں اسے تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی.....بات محض یہ تھی کہ وہ انتیس سال کا تھا اور میں ترپن برس کی۔

کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ مہم اپنے عروج پر دم توڑ گئی اور میری زندگی کی پرخار راہ پر ایک سنہری یاد بن جائے گی! لیکن مجھ سے آ ملنے کی اس کی بے تابی اور میرے دل میں اٹھنے والی ہوک کی مزاحمت ممکن نہ تھی۔ ''جلد ہی برلن میں ملیں گے'' جدائی کے وقت میرے یہ الفاظ تھے۔ ابھی صرف چار ہفتے گزرے ہوں گے کہ اس کا شعلہ جل بجھا۔ میں اس خلاف توقع ضرب سے ہل کر رہ گئی اور خیالات واضح ہونے لگے کہ میں جذبات کے تلاطم میں تنکے کا سہارا لئے ہوئے تھی کہ جذبہ محبت کو میں شائید پھر سے جگا لوں گی جو میرا تھا۔

اس کی کئی وجوہ تھیں کہ میں اسے واپس چلے جانے کو نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ جبری بھرتی سے بچنا چاہتا تھا اور وہ اسٹاک ہوم پولیس کی نظروں میں اس لئے مشکوک بن چکا تھا کیونکہ اس نے ساشا کے کاغذات میں ہیرا پھیری کرنے میں مدد کی تھی۔ اس کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا اور جرمنی میں قانوناً وہ کام کاج نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اسے واپس نہیں بھیج سکتی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کی محبت دم توڑ گئی ہے؟ ہماری دوستی پھر بھی شیریں رہے گی.....میرے اندر اس کے لئے اتنی الفت موجود ہے کہ میں اس پر قناعت کر سکتی ہوں، میں نے خود سے استدلال کیا۔ جس چین اور مسرت کی میں نے امیدیں لگائی تھیں وہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آٹھ ماہ کا برزخ بن گئیں۔

میری تکلیف میں اس بات سے اضافہ ہونے لگا جب مجھے اپنی جدوجہد میں ساشا کی ہمدردی کم ہوتی نظر آئی۔ زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ ان دنوں بہت ہمدرد تھا اور ہمت افزائی کیا کرتا جب مجھ پر اپنے دوست کے لِئے بوالہوسی سوار تھی۔ وہ اس احمقانہ روایت کا مضحکہ اڑاتا جو عمروں کے فرق کے متعلق تھی اور مجھے مشورہ دیتا کہ میں اپنی خواہشات پر عمل کروں جو میری زندگی میں اس نوجوان کے آنے سے پیدا ہوگئی ہیں۔ ساشا کو یہ لڑکا بہت پسند تھا۔ جہاں تک آخرالذکر کا تعلق تھا وہ میرے بڈھے یار کی پرستش کرتا تھا۔ لیکن میرے نوجوان سویڈن والے کی برلن آمد اور ایک ہی اپارٹمنٹ میں موجودگی سے کسی حد تک دونوں میں پائی جانے والی عمدہ رفاقت تبدیل ہو کر خاموش دشمنی بن گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ دونوں مجھے اذیت دینا نہ چاہتے تھے اس کے باوجود دونوں کی مردانہ تنگ نظری انہیں کچھ اور نہ کرنے دے رہی تھی۔

میری ذہنی حالت ایسی نہ تھی کہ میں روس پر کتاب لکھ سکتی۔ اس بدقسمت ملک کا خیال اور اس کے سیاسی شہداء کا تصور مجھ پر ہر وقت طاری رہتا تھا اور میں محسوس کر رہی تھی جیسے میں نے ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہو۔ میں ان کی حالت زار کی بہتری کے لِئے کچھ نہیں کر رہی تھی اور نہ ہی اس دلفگار ناٹک ''اکتوبر'' کا پول کھولنے کے لِئے کچھ کر رہی تھی۔ میں نے اپنے ضمیر کو یہ تسلی دینے کی کوشش کی کہ میرے مقالوں سے حاصل ہونے والی آمدنی سے میں نے ایک معقول رقم ایک کتابچہ چھپنے کی مد میں دی جو لندن گروپ نے شائع کیا جس کے اخراجات میں نے ادا کِئے۔ ساشا نہایت عمدہ کام کر رہا تھا، مضامین لکھے جا رہا تھا اور روسی سانحے، کمیونسٹ پارٹی، کروشٹاد اور متعلقہ مضامین پر پمفلٹ شائع کر رہا تھا۔ ہمارے تاگانکا کے جلاوطن بھی اب جرمنی میں تھے اور وہ اپنی باتیں انارکسٹ اخبارات کے وسیلے سے لوگوں کے کانوں تک پہنچا رہے تھے اور اپنی تقاریر کے ذریعے سویت حقیقتوں کو بیان کر رہے تھے۔ اور اس سے پہلے کہ ہماری صدائیں بلند ہوتیں ہمارے فاضل کامریڈ روڈ ولف روکر اور آگسٹین سوچی جرمن کارکنوں کو روس کی حقیقی صورتحال سے آگاہ کر رہے تھے اور ان کے ذہنوں کو صاف کر رہے تھے۔

دی نیویارک ورلڈ کے ہربرٹ سوپ اور البرٹ بونی، کلنٹن پی برینارڈ جوان دنوں ہارپر کا صدر ہوا کرتا تھا سب ہی روس کے بابت میری تحریروں میں دلچسپی لینے لگے۔ وہ ایک ہنس مکھ بوڑھا نکلا، اطوار میں فراخی اور گفتار میں دلچسپ۔ مگر لگتا جیسے وہ کتابوں کے معاملے میں اناڑی ہو اور مصنفین سے ان کے رشتوں سے نابلد۔ ''روس پر کتاب لکھنے کے لِئے چھ ماہ لگیں گے۔'' وہ حیرانی میں بولا۔ ''بالکل بیکار بات ہے! تمہیں تو یہ کرنا چاہئے کہ مہینے بھر میں کھڑے کھڑے اس کا املا لکھا دو۔'' ''تمہارا نام اور موضوع ہی اس کتاب کے لِئے کافی ہے اور اس کی ادبی خوبی کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' اس نے زور دے کر کہا۔ وہ اس کے لِئے ہر شرط لگانے کو تیار ہے کہ ایما گولڈ مان کو بالشویزم پر تجویز کردہ کوئی بھی کتاب جس کا تعارف ہربرٹ ہوور کا لکھا ہو اس دور میں ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ ''کیوں بھئی، تمہارے لِئے تو قارون کا خزانہ ثابت ہوگی۔ کیا یہ بات تمہارے خواب وخیال میں بھی آئی، ای۔ جی؟'' ''نہیں، میری پوری زندگی میں کبھی نہیں۔'' میں نے اعتراف کر لیا۔ میں اس بات پر متعجب تھی کہ وہ مذاق کر رہا تھا یا میری زندگی کے معاملات سے قطعاً بے خبر تھا، میرے نظریات اور روس کے متعلق میرے خیالات سے اور شائد اس امر سے بھی کہ میں اس موضوع پر کیوں لکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مسٹر برینارڈ نہایت سادہ لوح ہے۔ بالکل اوسط درجے کے امریکی ذہن کی مانند اور یہ بھی کہ مجھے اس کی اس تجویز پر ذرہ برابر غصہ نہ آیا جب اس نے مسٹر ہوور کا نام اس لِئے لیا کہ وہ اس ہیچمدار کی تصنیف کو متعارف کرائے جبکہ موصوف کا بھی اوسط درجہ کے امریکیوں میں شمار ہوتا ہے۔

میں نے البرٹ بونی پر اپنی حیرانی کا اظہار کیا کہ کوئی ایسے محدود ذہن کی شخصیت ہارپر جیسے معیاری اور عمدہ شہرت کے حامل طباعت گھر کی سربراہ ہو۔ اس پر اس نے وضاحت پیش کی کہ مسٹر برینارڈ کا دائرہ اختیار کاروباری معاملات تک محدود ہے اور ادبی معاملات سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ جس سے کچھ ڈھارس بندھی۔

طباعت کرنے والوں کا مجھے کچھ تجربہ نہ تھا۔ امریکہ میں ہماری تمام کتابیں ہم نے خود شائع کی تھیں جن کا انتظام مدر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ارتھ پبلشنگ ایسوسی ایشن کرتی تھی۔ البرٹ بونی، برینارڈ اور مکلیور نیوز پیپر سنڈیکیٹ کی نمائندگی کرتا تھا، اس نے یہ ضروری نہ سمجھا کہ مجھے اپنے تجارتی رموز سے آگاہ کرے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ میں نے روس پر اپنی کتاب کے عالمی حقوق مسٹر برینارڈ کے ہاتھ ۱۷۵۰ ڈالر پیشگی، حق تصنیف کے عمومی معاوضے اور قسط وار اشاعت کی صورت میں ۵۰ فیصد منافع کے عوض فروخت کر دیئے۔ میری سوجھ بوجھ کے مطابق یہ ایک اطمینان بخش بندوبست تھا۔ معاہدے کی سب سے زیادہ اطمینان بخش یہ شق تھی کہ میرے مسودے میں میرے علم اور اجازت کے بغیر کوئی کتر بیونت نہ کی جا سکے گی۔

میرے ویزا میں مزید دو ماہ کی تجدید کر دی گئی اور امید بندھائی گئی کہ مزید توسیع بھی ممکن ہے۔ میرے طعام و قیام کے اخراجات کا بھی انتظام ہو گیا تھا۔ میں اپنی کتاب پر کام شروع کر سکتی تھی۔ مجھ میں کرونشتاد کے زمانے سے یہ خیال پروان چڑھ رہا تھا اور میں اس پر ہر ہر زاویے سے اچھی طرح غور و فکر کر چکی تھی۔ لیکن جب میں لکھنے بیٹھی تو موضوع اتنا بے کراں تھا کہ اس نے مجھے مغلوب کر لیا۔ روسی انقلاب جو انقلاب فرانس سے عظیم تر اور زیادہ اساسی تھا، جیسا کہ پیٹر نے کتنا صحیح کہا تھا..... کیا میں اس سے ایک جلد اور محدود وقت میں انصاف کر سکتی ہوں؟ اس کام کے لئے برسہا برس درکار تھے اور میرے قلم سے زیادہ باصلاحیت قلمکار درکار تھا جو اس حقیقت کی واضح اور دلگداز کہانی لکھ سکے۔ کیا مجھ میں وہ تناظر اور غیر جانبدارانہ لاتعلقی پیدا ہو چکی ہے جو زمام اقتدار پر قابض آمروں کے خلاف اپنے ذاتی آلام اور کینہ کو پس پشت ڈال کر لکھ سکوں۔ جب میں لکھنے کی میز پر بیٹھتی تو یہی وسوسہ مجھے کچوکے لگانے لگتا اور جیسے جیسے میں کام پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کرتی یہ خیال تازیانہ برسانے لگتا۔

میرا ماحول مددگار ہونے کے سوا سب ہی کچھ تھا۔ میرا نوعمر دوست بھی میری طرح کھال مست تھا۔ اس کے پاس اتنی گنجائش نہ تھی کہ رخت سفر باندھ لے اور نہ ہی میں اسے جانے کو کہہ سکتی تھی۔ تنہائی، اور اس کی بے پایاں آرزو کہ کوئی میری ناز برداری کرے لڑکے کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ وہ میری باغیانہ اور جنگجویانہ طبیعت پر فریفتہ تھا۔ بطور ایک دوست اور رفیق میں نے اس کی خوابیدہ روح کو جگا دیا تھا اور اس کے اندر نظریات، کتابوں، موسیقی اور فن کی ایک نئی دنیا بیدار کر دی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں اور جائے۔ اسے میری رفاقت اور معاملہ فہمی عزیز تھی جو اسے ہمارے رشتے میں ملی تھی۔ مگر درمیانی فرق جو ہر دم حاضر و موجود رہتا یعنی چوبیس سال والے فرق کو وہ کبھی فراموش نہ کر سکتا۔

میں جس جسمانی اور فکری کرب سے گزر رہی تھی اسے میرے دوست روڈولف اور تلی روکر بھانپ گئے۔ میں ان سے ۱۹۰۷ء سے نہیں ملی تھی۔ ان دنوں ہم لوگ ایک دوسرے سے بطور کامریڈ کے واقف تھے۔ اپنے برلن کے قیام کے دوران میں ان میں پنہاں حسین روح سے آگاہ ہوئی۔ روڈولف میرے پرانے رفیق میکس سے بہت مماثلت رکھتا تھا۔ اس میں بھی ویسی ہی معاملہ فہمی، نرمی، فیاضی تھی تاہم عمیق مشاہدہ باطن کا مادہ اس سے کم تھا۔ دانش میں طباع اور درخشاں اور کام کرنے کی صلاحیت حیرت انگیز۔ وہ جرمن انارکسٹ تحریک کی ایک قوت تھا اور جو بھی اس کے رابطے میں آجاتا اس کے لئے وہ عزم و ولولے کا مینارہ بن جاتا۔ تلی بھی انسانی مصائب کا گہرا شعور رکھتی، ہمدردی اور شفقت کے معاملے میں بے دریغ حصہ لیتی۔ وہ اس کشمکش میں میرے لئے تسلی کا باعث تھے۔ میں اپنی کتاب شروع کرنے کو بے چین تھی۔

میری محبوب اسٹیلا اور ایان کی آمد سے جو اتنی عمر کے بچے کو لئے ہوئے جتنی کہ وہ خود میرے لئے ہوا کرتی تھی، انہیں دیکھ کر میرا درد کچھ مندمل ہونے لگا۔ میں نے دونوں کو تین سال سے نہیں دیکھا تھا اور میں ان کو دیکھنے کو ترس رہی تھی۔ ایک ہفتہ تو اپنوں سے ملنے کی راحت میں پلک جھپکتے گزر گیا جس میں ماضی کی یادیں دہرائی گئیں جن میں خوشیاں اور محنت مشقت کا بیان اور اس کا جائزہ کہ میرے اختیار کردہ وطن میں کیا قابل تحسین تھا اور کیا باعث نفرین۔

ایک بے ہنگم موسیقی نے ہماری گنگناتی ندی میں خلل ڈال دیا۔ اسٹیلا ہمیشہ سے مجھے تقدس کے طاق میں سجائے ہوئے تھی اس کے لئے میرے کیچڑ میں سنے قدم دیکھنا ناقابل برداشت تھا۔ وہ بن سے میرے تعلقات رکھنے پر بھی کڑھ چکی تھی اور اب دوبارہ میری عزیزہ اس پر روٹھی ہوئی تھی کہ اس کی دیوی خالہ کو مثل ''مرغی گری کھکھار پر'' کا رویہ نہ اختیار کرنا چاہئے۔ میرا نوجوان سویڈن والا جلد ہی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میری بھانجی کی پرتحقیر نظروں کو بھانپ گیا۔ وہ اس سے دو چند نکلا اور خلاف معمول وہ اس سے ناگوار طریقے سے پیش آیا۔

ایان، جو چھ برس کا خوبصورت سا گڈا تھا ایسا بچھڑا تھا جس پر نہ زین پڑی تھی اور نہ ہی باگیں ڈالی گئی تھیں۔ اسے جرمن زبان نہیں آتی تھی اور نہ وہ یہ سمجھ سکتا تھا کہ تمام افراد خانہ کیوں دبے پاؤں چل رہے ہیں محض اس لئے کیونکہ ''نتا'' تنک مزاج ہوگئی ہیں۔ بچہ بھی منہ میں زبان رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے بچے بھی وقت کے ساتھ عقل و فراست میں بڑھتے ہیں اور مجھ احمق کو دیکھو میں آج بھی خود کو جوان سمجھ رہی ہوں اور جوانی کی آگ کو تھامنے کے لئے اگھوریوں کی طرح جھپٹ رہی ہوں۔ خوش نصیبی سے مجھ میں تمیز خیر و بد کے احساس کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا تھا۔ میں اب بھی اپنی حماقتوں پر ہنس سکتی تھی۔ مگر میں لکھنا نہ شروع کر سکی یا پھر اپنے نوجوان سویڈ کی طرح فرار نہ ہو سکتی تھی!

اس نے کہا کہ وہ چند دنوں کے لئے ساحل سمندر پر جا کر رہنا چاہتا ہے تا کہ اس عرصے میں اسٹیلا اور میں بلا کسی بیجا مداخلت کے ایک ساتھ رہ لیں۔ اس پر میں نے کوئی اعتراض نہ کیا میں تو قدرے پرسکون محسوس کرنے لگی۔ دو روز بڑھ کر ہفتہ بن گئے اور اس کا کوئی پیغام بھی نہ ملا کہ وہ بخیریت ہے۔ میری تشویش مراق میں بدل گئی کہ یا تو اس نے اپنی جان اپنے ہاتھوں لے لی یا پھر جان گنوا بیٹھا ہے۔ اس اذیت ناک واہمے سے فرار حاصل کرنے کی غرض سے میں ایک مرتبہ پھر کتاب لکھنے بیٹھ گئی۔ یوں لگا جیسے کسی جادوئی اثر کے تحت وہ تمام بوجھ جو میں کئی ماہ سے اٹھائے تھی اتر گیا۔ وہ آسیبی سائے اس نوجوان لڑکے کے ساتھ ہی اڑن چھو ہو گئے اور میری گہری مایوسی بھی چھٹ گئی۔ یوں لگا جیسے میری ذات اس تصویر میں اترتی جا رہی ہو جو میرے سامنے رکھے ہوئے کاغذ میں تشکیل پا رہی تھی۔

سر شام طوفان آ گیا جو رات بھر جاری رہا، گرج چمک بھی جاری رہی جس کے بعد ہوائیں اور بارش میرے کمرے کی کھڑکیوں سے سر ٹکراتی رہیں۔ میں لکھتی رہی اپنی روح میں برپا طوفان کو چھوڑ کر باقی تمام چیزوں سے بے خبر۔ بالآخر مجھے چین آ گیا۔

بیرونی طوفان تھم چکا تھا۔ ہوا رکی ہوئی تھی۔ سورج دھیرے دھیرے نمودار ہو رہا تھا اور اپنی سرخ اور طلائی کرنیں آسمان پر چھٹکا رہا تھا تا کہ نئے دن کا استقبال کیا جائے۔ میں رونے لگی مجھے اس بات کا گہرا احساس گھیرے تھا کہ فطرت ہر دم نیا جنم لیتی ہے، اسی طرح انسانی خواب ہوتے ہیں جو آزادی اور حسن کے جویا ہوتے ہیں اور جدوجہد میں ڈالتے ہیں ستاروں پر کمند۔ میں نے بھی اپنی زندگی کے نئے جنم کو محسوس کیا تا کہ ایک مرتبہ پھر سے کائنات کی کیمیا گری میں شامل ہو جاؤں جس کی میں خود بھی ایک حقیر جزو ہوں۔

سویڈ لڑکا خوش و خرم اور صحیح سلامت لوٹا۔ اس نے اس لئے خط و کتابت نہ شروع کی کیونکہ وہ اپنی راہ متعین کرنے کی غرض سے ہمت یکجا کر رہا تھا۔ وہ ناکام ہو گیا۔ اسے میری اتنی ضرورت تھی کہ وہ کھنچا چلا آیا۔ کیا میں اسے دوبارہ قبول کر لوں گی؟ میں نے یہ جانتے ہوئے بھی اسے قبول کر لیا کہ وہ پہلے کی طرح میری دلبری نہ کر سکے گا۔ میں پھر سے روس میں پہنچ گئی، اس کی کامیابیوں اس کی ناکامیوں میں۔ میرا ریشہ ریشہ اس جتن میں لگ چکا تھا کہ کسی طرح اس سیر بین کو از سر نو تخلیق کر لیا جائے جس کا میں اکیس ماہ تک مشاہدہ کرتی رہی ہوں۔

میرا پرانا یار ساشا جو شاذ و نادر ہی میرے قلبی معاملات سے ہمدردی رکھتا اس کے باوجود وہ ہماری مشترک سرگرمیوں میں یا ادبی مساعی میں دست تعاون بڑھانے میں کبھی کوتاہی نہ کرتا۔ جیسے ہی اس نے مجھے کام میں جتے دیکھا وہ اپنی دیرینہ بیتابی کے ساتھ میری مدد کو واپس آ گیا۔ میں نے معقول حد تک پیش قدمی کر لی ہوگی جس کا رخ ایک نئے بکھیڑے سے تھا۔

نوعمر لوگ ایک دوسرے کے لئے عموماً فیاض نہیں ہوتے اور وہ ایک دوسرے کی کمزوریوں کے متعلق بھی بے صبرے ہوتے ہیں۔ میری سیکریٹری ایک ذہین اور لائق امریکی یہودی لڑکی تھی اور میرے نوجوان سویڈ کی بظاہر اس سے طبیعت نہ ملتی تھی۔ وہ بہت زور و شور سے بحث و مباحثہ کرتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنے لگتے۔ تناؤ میں اس وقت بگاڑ آ گیا جب لڑکی میرے اپارٹمنٹ میں اٹھ آئی۔ یہ کافی گنجائش والا تھا اور ہم میں سے ہر ایک کے پاس اپنا کمرہ تھا۔ لیکن دونوں نوجوان چیزیں یکجا ہوتے ہی دھواں چھوڑنے لگتے اور انگارہ بن جاتے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جلد ہی مجھے جرمن کہاوت کی حقانیت کا اندازہ ہوا ''واس لیوتھ رش داس نشت زس (جو زندہ ہے' وہ ہمیشہ نہ جئے گا)'' دونوں نوجوان ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو چکے تھے اور اپنے حقیقی جذبات پوشیدہ رکھنے کی خاطر مجھے دیکھ کر لڑنے لگتے۔ وہ اس معاملے میں اتنے پھوہڑ تھے کہ کھلم کھلا فریب دہی کے جرم کا ارتکاب کرنے لگے۔ بات سادہ سی یہ تھی کہ ان میں بیان کرنے کی ہمت نہ تھی اور شائید میرا دل بھی نہ دکھانا چاہتے تھے۔ گو ان کی باہمی خوش فعلیاں میرے لِئے کہیں زیادہ دل آزاری کا باعث ہوتیں بہ نسبت اس بات کے کہ ان کی ظاہری بے اعتنائی دھوکے کی ٹٹی بنی رہتی! دل ہی دل میں تو میں اس امید سے دستکش نہ ہوئی تھی کہ میری محبت اس کے دل میں میری چاہت کی ویسی ہی جوت جگا دے گی جس سے ہم لوگ اپنے اسٹاک ہوم کے قیام کے زمانے میں لبریز اور مالا مال ہوا کرتے تھے۔

میں اس چور سپاہی والے کھیل کو اپنی نگاہوں کے سامنے کیسے برداشت کرتی۔ میں نے انہیں ایک دن سمجھایا کہ کوئی بھی شے ان کے لِئے میری چاہت میں کمی نہیں پیدا کر سکتی اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ اس وقت تک لڑکی کام کرے جب تک مسودے کی ٹائپ کاری پوری نہیں ہو جاتی لیکن میں ترجیح دوں گی کہ وہ اپنے لِئے علیحدہ رہائش گاہ تلاش کر لیں، یوں ہم سب کی الجھنیں کم ہو جائیں گی۔

وہ وہاں سے اٹھ گئے۔ لڑکی میری سیکریٹری والے فرائض انجام دیتی رہی لیکن اس کا مجھ سے رویہ بدل گیا۔ نوجوان سویڈ مجھ سے ملنے آتا عموماً شام کے اوقات میں جب اس کی قلب شیریں وہاں موجود نہ ہوتی۔ وہ لڑکے کو میرے ساتھ دیکھ نہ سکتی، اس نے بتایا، یا پھر یہ کہ اسے یہ احساس نہ ہونے پائے کہ میں اس کے لِئے ذاتفیھان تھی۔ جبکہ اس کے بقول میں ہمیشہ رہوں گی۔ یہ بات میرے لِئے باعث تسکین تھی۔ اس کے باوجود میں نے اس سے کہا کہ یہ بہتر ہے کہ وہ مجھ سے نہ ملا کرے۔ میری برا ماننے کی عمر گزر چکی ہے۔ ان کی محبت جوان ہے اور یہ بات ناانصافی کی ہوگی کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ اس نے میرا مشورہ قبول کر لیا اور پھر اس وقت تک دوبارہ ملنے نہ آیا جب کچھ ہی دنوں بعد اسے لڑکی کے ساتھ امریکہ روانہ ہونا تھا اور تب بھی محض الوداع کہنے۔

مجھے اب بھی اپنی کتاب کا دشوار ترین مرحلہ مکمل کرنا تھا...... ایک پس نوشت جس میں روسی انقلاب سے ماخوذ اسباق بیان ہونے تھے جس سے ہمارے کامریڈ اور جنگجو عوام الناس یہ جان سکیں گے کہ مستقبل کے انقلابات کو کیونکر ناکامی سے بچایا جا سکتا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ بالشویکوں کی تمام ہوس اقتدار کے باوجود وہ روسی عوام کو کبھی اس بری طرح دہشت زدہ نہ کر سکتے اگر خلقت کی نفسیات میں بہ آسانی تابع فرمان بن جانے والی خلقی کجی نہ ہوتی۔ بقول اقبال ؎

اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے زور
سینکڑوں صدیوں سے خوگر ہیں غلامی کے عوام

میں اس کی بھی قائل ہوں کہ ہماری اپنی صفوں میں بھی انقلاب کا تصور نہایت رومانی تھا اور یہ کہ سرمایہ داری کے خاتمے اور بلغ ژواز کے صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کے باوجود معجزوں کی توقعات نہ رکھی جائیں۔ میں اب معاملات کو پہلے سے بہتر سمجھ رہی ہوں اور اپنے کامریڈوں کو' معاملات کو واضح طریقوں سے سمجھنے میں مدد دینا چاہتی ہوں۔

میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر مجھے انقلاب کے تعمیری پہلو سے انصاف کرنا ہے اور معروضی مصنف بننا ہے تو مجھے کمیونسٹ مملکت کے ہوّے سے بہت دور جانا ہوگا۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ میری کتاب اس طرح دنیا کے سامنے آئے جس میں چند حتمی نتائج نہ اخذ کِئے گئے ہوں۔ اس کے باوجود میری ذہنی حالت ایسی تھی جس میں میرے لِئے موضوع کی پیچیدہ صورتحال کا جائزہ لینا ممکن نہ تھا۔ ہفتوں کی ردوکد کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ چند خیالات کو قلم بند کر لوں۔ ایسے اجزا جو اتنے اہم موضوع پر کسی مبسوط تصنیف کے لِئے ابتدائی خاکے کا کام کر سکیں۔ ساشا نے بھی اس نکتے پر اتفاق کیا، روسی انقلاب کی روشنی میں انقلاب کے قدیم تصورات کا گہرا آموختہ اور جائزہ لیا جانا نہایت ضروری تھا۔ وہ یا میں یا ہم دونوں مل کر ممکن ہے آئندہ اس کام کا بیڑا اٹھائیں۔ اس معاملے پر فی الحال دق ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاثرات پر مبنی کتاب جیسی میں لکھ رہی ہوں اس میں نظریات اور افکار کا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تجزیہ کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ روڈولف بھی ہمارا ہم خیال نکلا۔ اپنے دونوں دوستوں کے مشورے کے نتیجے میں میں جن کی ایسے امور میں اثابت رائے عموماً غلط نہیں رہی ہے اور میرے اپنے ذاتی خیال کے مطابق میں نے ایک تکمیلی باب تحریر کیا جس میں ان تجاویز کو بیان کیا جو عمومی اور عملی خدوخال تھے اور انقلاب کے دور میں تعمیری مساعی بیان کی گئیں۔

میرے پاس دوہرا جشن منانے کا جواز تھا۔ میری جذباتی ہوشمندی لوٹ آئی تھی اور میں نے اپنی تصنیف ''میرے دو سال روس میں'' "My Two Years in Russia" کا مسودہ مکمل کر لیا تھا۔ ساشا کے پاس بھی بے پایاں مسرور ہونے کی وجہ تھی۔ وہ قیمتی بیاض جو وہ روس میں لکھا کرتا تھا اور جو اس کے کمرے کی تلاشی لینے والی چیکا کی نظروں میں اس لِئے نہ آئی کیونکہ اسے میں نے اپنے اسباب میں چھپا لیا تھا جو روس سے خفیہ طریقے سے باہر بھیجنے کے باوجود بعد میں گم ہو گئی تھی۔ یہ ان دنوں ہوا تھا جب ساشا منسک میں تھا۔ اس کا ایک دوست اس کی نوٹ بک والی کتابیں اس وعدے پر جرمنی لے گیا کہ وہ انہیں روکرز کے حوالے کر دے گا۔ یہ ہمارے لِئے بہت بڑا صدمہ تھا جب ہمیں یہ علم ہوا کہ ہمارے برلن کے دوستوں کو یہ قیمتی پیکٹ ابھی تک نہیں ملا تھا۔ کوئی چیز روزانہ لکھی جانے والی دستاویز کا نعم البدل نہیں بن سکتی تھی جس میں روسی قیام کے ہر چھوٹے بڑے واقعے کو درج کیا گیا تھا۔ خوش قسمتی کی بات تھی کہ یہ انمول بیاض کئی ہفتوں کی پر تشویش تلاش اور جستجو کے بعد مل گئی۔

مجھے اپنی کتاب کا مسودہ میکلیور نیوز پیپر سنڈیکیٹ کو روانہ کِئے کئی ماہ گزر چکے تھے مگر مجھے اس کی وصولی کی اطلاع بھی نہیں ملی تھی۔ میں ہر جہاز کی روانگی پر خط بھیجتی رہی اور بحری تار بھیجنے پر بھی کثیر دولت صرف کر چکی تھی مگر جواب ندارد۔ اسٹیلا اور فٹزی جن سے میں نے برینارڈ سے ملنے کو کہا تھا انہوں نے یہ اطلاع دی کہ مذکورہ ادارے نے انہیں یہ بتایا ہے کہ مذکورہ شخص جرمنی سے لوٹنے کے بعد سے اب تک دفتر نہیں پہنچا اور سنڈیکیٹ میں کوئی دوسرا فرد میرے مسودے کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ اس پر میں نے نیویارک ورلڈ کے مسٹر سوپ کو تار بھیجا اور التجا کی کہ وہ ہارپر کے صدر سے بات کر لے۔ میں بھی ٹریبیون کے گاریٹ گیرٹے سے ان دنوں ملی جب وہ برلن آیا تھا اور اس سے درخواست کر چکی تھی کہ وہ میرے مسودے کی تلاش کرنے میں میری مدد کرے۔ میں نے البرٹ بونی کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہ ساری بدحواسی پر مبنی کوششیں نتیجہ خیز نہ ثابت ہوئیں۔ اپنی کتاب کے متعلق میری فکرمندی اب برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ اس لِئے میں نے اس معاملے کو اپنے قدیم دوست اور صلاح کار ہیری وین برگر کو سونپ دیا۔ مجھے اعتماد تھا کہ وہ میکلیور کے کرتا دھرتا لوگوں یا برینارڈ کو جواب دہی پر مجبور کر دے گا۔

اس الجھن کے علاوہ میری اسٹیلا پر خوفناک آفت ٹوٹ پڑنے کی خبر ملی کہ اس کی دائیں آنکھ کی بینائی چلی گئی۔ جن ماہرین نے اس کا علاج کیا ان کے تجربات نے اسے لب گور پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک نے یہ تک تشخیص کر دیا کہ پردہ چشم سرک گیا ہے اور ناقابل علاج ہے اور مکمل نابیناپن کا بھی کنایۃً ذکر کر دیا۔ جرمنی ماہرین امراض چشم کے لِئے شہرت رکھتا ہے اور میں ان دنوں بالکل فارغ تھی اور بھانجی کی دیکھ بھال کے لِئے خود کو وقف کر سکتی تھی۔ میں نے اسے بہ تاکید لکھا کہ وہ فوراً چلی آئے۔ وہ آ تو گئی مگر وہ اس شعلہ جوالہ لڑکی کا سایہ لگ رہی تھی جو گزشتہ برس مجھ سے مل کر گئی تھی۔ ایک ماہر نے اس کے مرض کو آنکھوں کا تپ دق بیان کیا اور بحالی کی ناامیدی ظاہر کی۔

ڈاکٹر ماگنس ہرشن فیلڈ جسے میں اس کے جنسی نفسیات کے سلسلے میں اہم کارناموں کے انجام دینے کی وجہ سے جانتی تھی ہماری مدد کو آن پہنچا۔ اس نے تھورنجن کے ڈاکٹر کاونٹ وایزر سے ملنے کو کہا جو باڈلیپسن میں تعینات تھا۔ ڈاکٹر ہرشن فیلڈ کے بقول وہ تشخیص امراض کا عظیم نام ہے آنکھوں کی بیماریوں کے علاج میں اختراعات کرنے والا ہے۔ ڈاکٹر نے یہ بھی اضافہ کیا کہ مجھے وایزر میں اس لِئے بھی دلچسپی لینا چاہئے کیونکہ اسے اس کے ہم پیشہ لوگوں نے مردود قرار دیا ہے اور اس کا ناک میں دم کر رکھا ہے جس طرح مجھے سیاسی شعبے میں اور اسے خود انسان نوازی اور سماجی احتیاطی تدابیر کے کاموں پر کیا گیا ہے۔ میں اس خیال پر مسکرانے لگی کہ اشرافیہ طبقے کے ایک فرد کو بھی اسی مخالفت کا سامنا ہے جو ایک سماجی باغی کو ہوتا ہے اور وہی صورتحال ڈاکٹر ہرشن فیلڈ کو بھی درپیش تھی۔ ایک یہودی جو جرمنوں کے جنسی تعصّبات کو مٹانا چاہتا تھا۔ اس کے باوجود ہم وایزر کو آزمانے پر تیار تھے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اگرچہ ہمیں ڈاکٹر وایز رکے بارے میں طبّی پیشے کے رویے کے متعلق بتایا جاچکا تھا مگر جب ہم اس کے دفتر میں مشورے کی غرض سے پہنچے تو ہمیں ایک گشتی مراسلہ تھما دیا گیا جس نے ہمارے چھکے چھڑا دیئے۔ یہ وزارت جنگ کے شعبہ طب کی جانب سے ایک اپیل تھی جس میں ڈاکٹر گراف وایز رکو اس کی پیشہ ورانہ نا اہلی، عطائی پن اور بد دیانتی پر چل دینے کو کہا گیا تھا اور اس پر جرمنی کے بائیس صف اول کے ماہرین امراض چشم کے دستخط ثبت تھے۔ لحہ بھر کو تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ڈاکٹر وایز رمیں ضرور کوئی گڑبڑ ہے جس کے باعث اس کے اتنے ممتاز ہم پیشہ لوگ عداوت رکھتے ہیں۔ ہماری ناخوشی اس وقت قدرے گھٹ گئی جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر وایز رکو اپنے مریضوں کو یہ بتانے میں کوئی تکلف نہ تھا کہ انہیں اپنے خلاف جاری پیشہ ورانہ معاندانہ رویے سے آگاہ کردیا جائے۔ اس نے اس اپیل کے نیچے یہ کہا تھا کہ وہ کسی کا اس وقت تک علاج کرنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرسکتا جب تک اس کے طریقہ کار کے متعلق اطمینان نہ کرایا گیا ہو۔ اس سے میری نظر میں اس کا وقار اور احترام بڑھ گیا۔

اس راندہ درگاہ ڈاکٹر سے پہلی بالمشافہ ملاقات نے میرے دل سے باقی ماندہ شک کو بھی رفع کردیا جو اس مراسلے نے پیدا کردیا تھا۔ اس کے رکھ رکھاؤ نے تمام الزامات کی تردید کردی۔ اس کی سادگی اور اخلاص اس کے ہر لفظ سے عیاں تھا۔ اگرچہ باہر کئی لوگ باری کا انتظار کررہے تھے اس کے باوجود اس نے اسٹیلا کا معائنہ کرنے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگا دیا اور اس کے بعد مریضہ کی کیفیت کے متعلق کوئی حتمی بات کہنے سے انکار کردیا۔ تاہم اسے یقین تھا کہ نہ تو پردہ چشم سرکا ہے اور نہ ہی تپ دق کا معاملہ تھا۔ اس کے خیال میں غالباً کسی غیر معمولی دباؤ نے فشار خون بلند کردیا تھا جس سے جریان خون ہوا جو جا کر بینائی کے اعصابی نظام پر جم گیا۔ اسے امید تھی کہ وہ اس کا اس طرح علاج کرے گا کہ یہ اس کے نظام میں جذب ہوجائے گا۔ وقت اور احتیاط اس کا فیصلہ کرے گا۔ اس کا زیادہ انحصار مریض پر ہوگا۔ اس کا علاج قدرے پر مشقت ہوگا اور اس کے ''جاری رکھنے کے واسطے ایک فرشتے کا صبر درکار ہے۔'' ڈاکٹر نے سرسری انداز میں ایسی مسکراہٹ سے کہا جس سے اس کے نفیس خدوخال روشن ہوگئے۔ چھ گھنٹے یومیہ یا اس سے کچھ اوپر کی کثرت جس میں کئی عدسوں کا استعمال شامل تھا ایک جانفشانی کا عمل ہوتا اور اس کڑی آزمائش کے بعد مکمل آرام اور ڈھیلے لیٹے رہنا لازمی تھا۔ اس کی دلکشی اور انسان نواز دلچسپی نے مجھے قائل کردیا کہ اس طبیب کے اندر ایک حسین ذات پوشیدہ ہے جو اپنے پیشے سے گہری محبت رکھتا ہے۔ ہر نیا دن ڈاکٹر وایز ر کے متعلق میرے تاثرات کو مستحکم تر کرتا جاتا۔

ہماری لیپسن میں موجودگی ہمارے بہت سے امریکی دوستوں کو یہاں کھینچ لائی۔ فٹزی اور پاولا جن سے میں ملک بدری کے بعد سے نہیں ملی تھی قیام کرنے آ گئیں۔ لیکن کنان ہماری پرانی ڈین ور کی دوست مائیکل کوین اور اس کی بیوی، ہنری السبر گ، روڈولف اور ملّی روکر، اگنس سمڈ لی، چاٹو اور برطانوی کامریڈ۔ میری زندگی کئی برس سے اتنے دوستوں اور ان الفتوں سے اتنی لبریز نہ تھی۔ اسٹیلا کی صحت کی بہتری سے میری مسرتوں کا پیانہ چھلکنے لگا۔ میرے کنبے والوں نے میری چونویں سالگرہ پر جو عمدہ تقریب منعقد کی اس موقع پر ہینری نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا ''ملکہ ای۔ جی اور اس کا دربار۔'' مجھے زندگی نے کس قدر نوازا ہے، احباب جن کی محبت میں برسہا برس گزرنے پر بھی کوئی کمی نہ آئی یہ ایسا خزانہ ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

سالگرہ کے بہت سے تحائف اور پیغامات کے درمیان میں مجھے اپنے مخلص دوست اور مشیر ہیری وین برگر کا ایک پیغام بھی ملا۔ جو اپنے ساتھ یہ اطلاع لایا کہ برینارڈ نے میرا مسودہ ڈبلڈے پیج اینڈ کمپنی کو فروخت کردیا ہے اور کتاب اسی سال (۱۹۲۳ء) میں شائع ہوجائے گی۔ میں نے تار بھیجا کہ پروف مجھے روانہ کِئے جائیں۔ ناشرین نے جواب دیا اس سے کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہوسکتی ہے اور مجھے اطمینان دلایا کہ وہ مسودے کے مطابق ہی شائع کریں گے۔

ڈاکٹر وایز ر کے تین ماہ کے علاج سے اسٹیلا کی بینائی سے محروم آنکھ میں بینائی جزوی طور پر بحال ہوگئی۔ یہی واحد کامیابی نہ تھی جو ''ہمارے گراف'' کو حاصل ہوئی تھی ہم اسے اس نام سے پکارنے لگے تھے۔ مجھے روزانہ اس کے نجی کلینک میں مختلف مریضوں کو دیکھنے کا موقع ملتا۔ نوعیت اسٹیلا جیسی ہی ہوتی اور ناامید ہو کر جن کا علاج ترک کردیا گیا ہوتا اور جنہیں ڈاکٹر وایز ر شفایاب کرنے میں کامیاب ہوجاتا کبھی جزواً اور کبھی کلی۔ یہ بات میرے لِئے ناقابل یقین تھی کہ کوئی شخص جو اتنا ہنر مند ہو اور

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دوسروں کو تشفی دینے کو اتنا بے چین ہو پھر بھی تعزیری شکنجے میں کسا جائے۔

ڈاکٹر وایزر کے مریضوں سے بات چیت سے جو میں نے اخذ کیا ان میں سے چند تو اسے کئی کئی برس سے جانتے تھے، وہ یہ بات تھی کہ اس میں ایک حیران کن سازش کار فرما تھی جو میں نے پیشہ وروں کی دنیا میں کبھی نہ سنی تھی۔ وہ بیان جو امراض چشم کے ماہرین کے دھڑے نے وزارت جنگ کو ارسال کیا تھا وہ گراف کے خلاف تیار کی گئی داستان کا محض دیباچہ تھا۔ وہ اتنے گھٹیا پن پر اتر آئے تھے کہ انہوں نے اپنے ایک لائق فائق کو اس پر جاسوسی کے لئے بھی لگا دیا۔ اس پر لگائے جانے والے الزامات میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ محض پیسے کی لالچ میں کام کرتا ہے۔ میں آج تک کسی ایسے شخص سے نہیں ملی جو وایزر سے کم، روپے پر جان دیتا ہو۔ جن دنوں مارک کی قدر دن میں پانچ مرتبہ گرتی تھی وہ کسی سے علاج کے ختم ہونے تک ایک دھیلہ (فنگ) نہ مانگتا۔ جس سے اسے اتنا گھاٹا اٹھانا پڑا کہ اسے اپنا عوامی مطب بند کرنا پڑا جہاں مفلسوں کا بھی وہی علاج ہوتا اور توجہ ملتی جو رقم ادا کرنے والوں کو ملتی۔ تریسٹھ سال کی عمر اور گرتی صحت کے باوجود ڈاکٹر وایزر بارہ گھنٹے یومیہ اور ہفتے میں ساتوں دن کام کرتا اور اگرچہ اس کے لاتعداد مریض تھے، وہ اور اس کی بیوی نہایت کفایت شعاری سے رہتے اس کے باوجود جو بھی اس کے پاس مدد کے لئے آتا وہ بے دریغ اس کی مدد کرتا نہ صرف پیشہ ورانہ بلکہ اپنی قلیل آمدنی میں سے بھی۔

اس کے ناقدین کی نگاہوں میں اس کا سب سے بڑا جرم اس حقیقت کے علاوہ کہ جہاں وہ سب ناکام ہو جاتے وہاں وہ کامیاب نتائج حاصل کر لیتا۔ اس کا یہ تذبذب تھا کہ وہ سپاہیوں کو محاذ پر نہ بھیجتا جن کی بینائی وہاں پر خراب ہو گئی ہو۔ اس سے ہونے والی ملاقاتوں میں سے کسی ایک میں اس نے کہا کہ میں نہ تو سیاست کے متعلق کچھ جانتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے۔ میں تو صرف دکھی انسانیت سے واقف ہوں، اس دھرتی کے پھولوں کو بے مقصد نفرت کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کاٹا جاتا ہے۔ میرا نصب العین، میری واحد دلچسپی یہ ہے کہ ان کی مدد کروں اور ان میں زندگی کی نئی جوت جگا دوں۔

اسٹیلا تین مہینوں کی تکالیف سے تنگ آ چکی تھی اور روزانہ علاج کی گرانی کے آثار اس پر نمایاں ہونے لگے۔ تس پر ڈاکٹر وایزر نے اسے مکمل آرام کرنے کا حکم دیا۔ یہ اس کے عمومی ضوابط کا ایک حصہ تھا کہ وہ اپنے مریضوں کو وقتاً فوقتاً صحت کی بحالی کے لئے وقفہ کرنے کو کہتا اس کے بعد پھر سے علاج شروع کر دیتا۔ وہ میونخ جا کر ویگنر سٹراس میلے کی آمد آمد کو دیکھنے کا منصوبہ بنا رہی تھی جس میں آخر الذکر کو اپنے اوپیرا کی رہبری کرنا تھی۔ ساشا، فٹزی پاولا اور ایلن بھی جا رہے تھے اور انہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں ان کے ساتھ چلوں۔

باویریا ان دنوں جرمن جنگجویانہ وطن پرستی کا گڑھ تھا، میں اگرچہ اس تجویز کے متعلق مشکوک تھی مگر لڑکیوں کے اصرار پر میں ان کے ساتھ ہو لی۔ میونخ پہنچنے کے اڑتالیس گھنٹوں کے بعد میرے دروازے پر وہی مانوس کھٹ کھٹ ہوئی۔ تین صاحبان نے مجھے اپنی معیت میں پولس پریزی دوم (پولیس کے مرکزی دفتر) چلنے کو کہا۔ وہ تقریباً اتنے شستہ نہ تھے جتنے برلن میں طلب کرنے والے تھے۔ لیکن اتنی دیر تک انتظار کرنے پر آمادہ ہو گئے تاکہ میں اپنے دوستوں کو اپنی گرفتاری سے آگاہ کر دوں۔

میونخ کے مردہ گھر کی گیلری میں مطلوب افراد سے متعلق مسلیں اتنی ہی مکمل تھیں جتنی ان کی سرحد پر تھی۔ اس میں ایسی دستاویزات بھی شامل تھیں جن میں ۱۸۹۲ء تک کی تفصیلات موجود تھیں..... تقریباً ہر وہ چیز جو میں نے کبھی لکھی تھی یا کہی..... ساشا کی تمام سرگرمیاں اور میری تصاویر کا ایک مکمل ذخیرہ۔ سب سے زیادہ حیران کن حصہ ایک تصویر تھی جو میرے چچا نے نیویارک میں اتاری تھی وہ بھی ۱۸۸۹ء میں۔ میں خود کو اتنا جوان اور دلکش دیکھ کر پھول کر کپا ہو گئی۔ میں نے ایک نقل خرید لینے کی پیشکش کی۔ پولیس میری اس ''اڑان'' پر قدرے ناراض ہو گئی جبکہ میں زیر حراست تھی اور ملک بدری کا امکان بھی تھا۔ کئی گھنٹوں کے سوال جواب اور کریدنے کے بعد مجھے اس بات کی اجازت دی گئی کہ میں دوپہر کے کھانے کے واسطے اپنے ہوٹل چلی جاؤں شرط صرف یہ تھی کہ لوٹ بھی آؤں۔ میں اپنے کنبے سے گھنٹہ بھر کو جا ملنے پر بہت ممنون ہوئی۔ مجھے محض اس کا افسوس تھا کہ میں نے صرف تریسان اینڈ آیسولدے الیکٹر اکا نام سنا تھا۔ اور یہ کہ میں نے باقی ماندہ کا جو ٹکٹ خریدا تھا وہ ضائع ہو جائے گا۔

دیگر الزامات کے علاوہ مجھ پر یہ بھی ایک الزام تھا کہ ۱۸۹۳ء کے موسم خزاں میں میں نے باویریا کا ایک خفیہ دورہ کیا تھا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں نے ان الزام تراشیوں کی تردید کی کیونکہ میں ان ''دنوں دوسرے معاملات میں الجھی ہوئی تھی'' ''وہ کیا تھا؟'' انہوں نے جاننے پر اصرار کیا۔ ''میں ان دنوں نیویارک کے بلیک ویل جزیرے کے اصلاحی جیل میں ''آرام فرما رہی'' تھی۔ اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار بھی نہیں ہے؟ کیوں نہیں ہے؟ میرا وہاں پر قیام سونے کے چمچے یا ریشمی رومال چرانے کی وجہ سے نہ تھا۔ میں وہاں اپنے سماجی نظریات کے سبب تھی۔ اور یہ وہی نظریات تھے جن کی بناء پر وہ مجھے ملک بدر کرنے والے تھے۔ ''ہم تمہارے ان نظریات سے واقف ہیں'' وہ غرائے ''سازشوں کی منصوبہ بندی، بم بازی اور حکمرانوں کا قتل عام'' کیا وہ ساری دنیا میں ہونے والا قتل عام (عالمگیر جنگ) کرا کے جس کا ان لوگوں اور ان کی حکومتوں نے آغاز کر کے فروغ دیا ہے اب بھی ان چھوٹی موٹی باتوں سے خوفزدہ ہیں؟ اوہ یہ سب کچھ تو پدرِ وطن کو بچانے کے لئے ہوا، مگر ان کے مقدس مقاصد میری فہم و فراست میں سما نہ سکے۔ مجھے کند ذہن ہونے کا اعتراف ہے۔

سرِ شام مجھے ایک ذاتی محافظ کے ہمراہ ہوٹل بھیجا گیا اور شام کی ٹرین سے شہر چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ اس وقت میرا فوری مسئلہ یہ تھا کہ کسی طرح ساشا کا پتہ نہ چلے۔ میرا نوجوان پولیس والا جو میرے ہمراہ تھا بے خیالی میں اس نے ترکیب سمجھا دی۔ اس نے شکایتاً کہا کہ وہ بہت صبح سے ڈیوٹی پر ہے اور اس کے لئے اپنی بیوی اور بچے سے جا ملنا اس وقت تک محال ہے جب تک وہ مجھے ٹرین پر سوار کر کے میونخ سے رخصت نہیں کر لیتا۔ جس پر میں نے اشارتاً کہا کہ وہ مجھے ہوٹل کے قلی کو سونپ سکتا ہے جو مجھے اسٹیشن پر سوار کرآئے گا۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا یہاں تک کہ اس نے مجھے پانچ ڈالر کا نوٹ نکالتے نہ دیکھ لیا۔ انتظام کیا جا سکتا ہے اس نے کہا بشرطیکہ میں وعدہ کرلوں کہ اسٹیشن سے ٹرین چھوٹنے کے بعد میں کود نہ پڑوں گی۔ جب میں نے اسے اچھی طرح اطمینان دلا دیا کہ میرا خودکشی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو اس نے اپنی راہ لی۔

ہوٹل میں، میں نے اپنی پارٹی کے ارکان سے ایک فوری میٹنگ کی۔ ہم اس پر متفق تھے کہ ساشا کو فوراً میونخ کو خیرباد کہہ دینا چاہئے کیونکہ اب بات یقینی تھی کہ پولیس اسے ڈھونڈ نکالے گی اگر وہ ایک دن بھی ٹھہرا۔ ہمارے ساتھ قیام امریکہ میں فنٹری اس قسم کی متعدد ''سازشوں'' کو جھیل چکی تھی اس لئے وہ نہایت بیگمانہ کروفر کے ساتھ ساشا کو اسٹیشن پہنچانے آئی۔ اور جب ٹرین باویریا سے نکل آئی تو ہماری ملاقات ہوئی۔

اگلی صبح میں پولیس الیکزینڈر برکمین کی تلاش میں آدھمکی اور اسی دن اسٹیلا کو اس لئے ملک بدر کر دیا گیا کیونکہ وہ ایما گولڈ مان کی بھانجی ہے۔ انہوں نے دوسری لڑکیوں سے تعرض نہ کیا لیکن انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ باویریا کی میزبانی سے کچھ زیادہ ہی لطف اندوز ہو چکی ہیں۔

اسٹیلا وایزر کے پاس لوٹ گئی اور میں برلن میں اس وقت تک کے لئے ٹھہر گئی جب تک فنٹری جہاز سے روانہ نہیں ہو جاتی۔ اب یہ غیر ضروری ہو چکا تھا کیونکہ اسٹیلا کے لئے اپنے بیٹے اور شوہر سے جدائی اب برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی جبکہ ڈاکٹر وایزر کو یہ تشویش دامن گیر تھی کہ جرمنی کے سیاسی حالات خطرناک ہو چکے تھے۔ وہ ملک کے رجعت پسندوں کا مزاج داں تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کے غیر ملکی مریض ان حالات سے دوچار ہوں۔ اس نے اسٹیلا کو مشورہ دیا کہ وہ امریکہ لوٹ جائے اور اسے انتہائی احتیاطی تدابیر کی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین بھی کرا دیا کہ متاثرہ آنکھ کو بہرصورت خطرے میں نہ پڑنے دیا جائے۔ اس نے ایک نقشہ بنا کر دے دیا کہ ایک نظام کار کے تحت موسم بہار تک وہ اپنا علاج خود ہی جاری رکھے۔ میں اس کی واپسی کے معاملے میں اس سے الجھ پڑی۔ مجھے برے برے خیال گھیرے ہوئے تھے..... ہو سکتا ہے سردی کھا جائے، کوئی نادیدہ حادثہ جس سے ساری محنت اکارت ہو جائے۔ لیکن اسٹیلا کا مزید رکنا ممکن نہ تھا اور گراف کی یقین دہانیوں نے میرے خدشات رفع کر دیئے۔

اسٹیلا ابھی رخصت ہی ہوئی تھی کہ ایک اور آفت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میری کتاب کا ایک نسخہ موصول ہوا جس میں آخری بارہ باب ندارد اور عنوان کوئی اور۔ اگرچہ طباعت شدہ تھا مگر نامکمل کام ہوا تھا وجہ یہ تھی کہ آخری ابواب اور خاص طور سے میرا پس نوشت جو کل سے کشید کئے ہوئے ارفع جوہر کو نمایاں کرتا اسی کو حذف کر دیا گیا تھا۔ جن ناموں کو بلا اجازت شامل کیا گیا تھا وہ خطرناک حد تک گمراہ کن تھے۔ ''میری روس میں خیالات کی طلسم شکنی'' (MY Disillusionment in Russian)

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے قاری پر یہ تو واضح ہو جاتا کہ یہ انقلاب تھا جس نے میرے طلسم خیال کو چکنا چور کر دیا بجائے اس کے کہ کمیونسٹ مملکت کے یہ نام نہاد طرائق کار تھے جو اس کا سبب تھے۔ میں نے اپنی تصنیف کو جو نام دیا تھا وہ سادہ سا ''میرے روس میں دو سال'' جو جعلی نام رکھا گیا تھا وہ پہلوئے حور میں لنگور والی بات تھی۔ میں نے طابع کے نام ایک بیان لکھا جو میں نے اسٹیلا کو بھیج دیا اور یہ وضاحت کی کہ میرے مسودے کو بے دست و پا کر دیا گیا ہے۔ اور ایک تار ہنری وین برگر کو روانہ کیا کہ وہ طباعتی ادارے سے وضاحت طلب کرے۔ میں چاہتی تھی کہ اس کی فروخت روک دی جائے جب تک معاملات ٹھیک نہ ہو جائیں۔

جواب میں ڈبل ڈے، پیج اینڈ کمپنی نے بذریعہ تار اطلاع دی۔ انہوں نے میری تصنیف کے چوبیس ابواب کے عالمی حقوق میکلیور سنڈیکیٹ سے یہ سمجھ کر خریدے تھے کہ یہ مکمل کتاب ہے۔ انہیں اس کی اجازت بھی دی گئی تھی کہ ہم اپنا عنوان دے سکتے ہیں۔ دیگر ابواب کے بارے میں انہیں کوئی علم نہیں ہے۔

انتھک ہیری وین برگر کہاں ہار ماننے والا تھا۔ وہ ڈبل ڈے پیج اینڈ کمپنی کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ لاپتہ ابواب کو ایک علیحدہ جلد میں شائع کر دیں جس کی طباعت کے اخراجات ہم برداشت کریں گے۔ میں نے اپنے کامریڈ مائیکل اے کو ہن سے درخواست کی وہ قرض فراہم کر دے جو اس نے بلا تاخیر کر دیا۔

اس عرصے میں اسٹیلا پر پھر سے عارضے نے حملہ کر دیا۔ بحر اوقیانوس پار کرتے میں اس نے وہی کیا جس کی گراف نے سختی سے تنبیہ کی تھی۔ وہ ایک سمندری طوفان کے وقت آنکھوں پر طبی پٹی باندھے بغیر عرشے پر کھڑی رہی۔ جہاز سے رخصت ہوتے ہی وہ خاندانی جھمیلوں میں پڑ گئی جس سے اس کی حالت بگڑتی گئی۔ وہ اس پر بہت افسوس کرتی رہی کہ وہ ڈاکٹر وائز کی نگہبانی کو کیوں چھوڑ آئی، ادھر میں خود کو کوسنے لگی کہ میں نے آخر اسے جانے ہی کیوں دیا جبکہ اسے اس تیزی سے افاقہ ہو رہا تھا۔

میں نے وائز کے کام کو موضوع بنا کر ایک کہانی لکھی اور اسے نیویارک ورلڈ کو بھیجنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ لیکن اب یہ ممکن نہ تھا۔ میں قارئین سے کیونکر توقع کر سکتی ہوں کہ وہ میری بات مان لیں کہ اسٹیلا کی بیماری عود کر آنے کا سبب ڈاکٹر وائز نہیں ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس مضمون کو اس وقت تک روکے رکھوں گی جب تک میری بھانجی اس کی نگہداشت میں نہیں آ جاتی۔ اس کے باوجود نیو ریویو میں کہانی چھپی، یہ رسالہ انگریزی میں کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔ اگنس سمڈلی اور چاٹو ان میں سے آخر الذکر گراف کے زیر علاج رہ چکا تھا دونوں ہی اس کے نئے طریقے کی کامیابی کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ اہل ہند بھی اس سے واقف ہو جائیں۔ اس مقالے کی اشاعت کا نتیجہ یہ نکلا کہ متعدد ہندو ڈاکٹر وائز سے بطور مریض ملنے آ رہے تھے۔ اسٹیلا کی حالت سے مجھے جو تکلیف پہنچ رہی تھی اس میں واحد باعث تسکین یہی بات تھی۔

میری کتاب ''روس میں میرے خیالات کی طلسم شکنی'' پر شائع ہونے والے تبصروں سے یہ بات پایہ بصیرت کو پہنچی جتنا ڈبل ڈے، پیج اینڈ کمپنی کے نمائندوں کے حاطہ امکان میں آئی تھی جنہوں نے تین چوتھائی مسودے ہی کو مکمل سمجھ کر شائع کر دیا تھا۔ متعدد مبصرین میں سے صرف ایک ہی قیاس کر سکا کہ بچہ ستوانسا تھا۔ یہ بفلو کی لائبریری کا مہتمم تھا جس نے 'جنرل' میں اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ایما گولڈ مان کی داستان کیف ۱۹۲۰ء میں آ کر ختم ہو گئی حالانکہ وہ کتاب کے پیش لفظ میں لکھ آئی ہے کہ اس نے روس دسمبر ۱۹۲۱ء میں چھوڑا ہے۔ کیا اس درمیانی مدت میں کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو مصنفہ کو متاثر کرتی۔ مذکورہ شخص کی ادبی فراست ''نقادوں'' کی کند ذہنی پر کھلی چوٹ تھی جو ریاست ہائے متحدہ میں ادبی تخلیقات پر بزعم خود حکم لگاتے رہتے ہیں۔

روس پر میری کتاب پر ہونے والے ردعمل کا پہلے ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ ولیم۔ زیڈ۔ فوسٹر کا ''جائزہ'' یہ ظاہر کرتا تھا کہ روس میں ہر کہ ومہ اس بات سے باخبر ہے کہ ایما گولڈ مان امریکہ کے خفیہ سروسز کے محکمے سے امداد لیتی تھی۔ مسٹر فاسٹر کو یہ بھی علم ہے کہ میرا روس میں ایک دن بھی قیام کرنا دوبھر ہو جاتا اگر چیکا ان باتوں پر یقین رکھتی۔ دوسرے کمیونسٹوں نے جن کی تحریریں مسٹر فاسٹر کی طرح باشفقت تھیں اس بات سے آگاہ تھے کہ مجھے کسی نے نہیں خریدا تھا۔ ہاں ایک اتنا جیالا نکلا جس نے ایسا کہا جن کا نام رینے مرچنڈ ہے جو ماسکو میں فرانسیسی دھڑے کا رکن تھا۔ جس نے اپنے تبصرے میں کہا کہ اگرچہ اسے میرے گمراہ کن فیصلے پر افسوس تھا تاہم وہ یہ ماننے کو تیار نہیں ہے کہ میرا سوویت روس کے خلاف موقف مادی وجوہ کے تابع ہے۔ میں اسے اس امر پر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

داد دیتی ہوں کہ اس نے میری انقلابی پختگی کا حق ادا کر دیا اس کے علاوہ کاش اس میں اتنی اور جرأت ہوتی کہ تسلیم کر سکتا کہ بالشویکوں کے چند حربوں سے جو وہ انقلاب کے نام پر اختیار کیئے ہوئے ہیں وہ خود بھی ان سے ہم آہنگی پیدا کرنے میں قاصر رہا۔ اسے فوجی ضرورتوں کے تحت چیکا کے لیئے کام کرنے کو کہا گیا۔ رینے مرچنڈ بذات خود اس قابل تھا کہ وہ وہاں سے سبکدوشی کی وکالت کرتا۔ دوسری صورت میں اسے کمیونسٹ پارٹی چھوڑنا پڑتی۔ کئی دیگر مخلص کمیونسٹوں کی طرح وہ بھی انقلاب کو چیکا کی نظروں سے نہ دیکھ سکا۔

بل ہیوووڈ کا معاملہ وہ نہ تھا۔ ساشا کے اندیشوں کے مطابق وہ بہ آسانی بالشویکوں کے دام میں آ گیا۔ روس میں اپنی آمد کے تین ہفتوں کے بعد اس نے امریکہ میں یہ لکھ بھیجا کہ ہر چیز کارکنوں کے کنٹرول میں ہے، جسم فروشی اور مے نوشی کی کثرت کا تدارک کیا جا چکا ہے۔ ان واہموں میں مبتلا ہونے والا بل مجھ سے ایسے محرکات کیوں نہ منسوب کر دیتا جو اس کی دانست میں لغو تھے؟ ''ایما گولڈ مان نے کوئی آسان اور سیدھی راہ نہ اپنائی تھی جس کی وہ متلاشی تھی اسی لیئے اس نے پرولتاریوں کی آمریت کے خلاف لکھا۔'' بے چارہ بل! وہ سیدھی ڈھلان پر سے اسی وقت لڑھکنے لگا تھا جب وہ آئی۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو کی جلتی ہوئی عمارت سے خود کو بچانے کے لئے نکل بھاگا تھا۔ وہ اپنا زوال نہ روک سکا۔

میرے کمیونسٹ الزام تراش صرف یہی نہیں کر رہے تھے کہ مجھے مصلوب کیئے جانے کی دہائی دے رہے ہوں۔ اس قوالی میں چند انارکسٹ بھی اپنی آوازیں ملا رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو مجھ سے ایل جزیرے پر لڑے، بیوفورڈ کے عرشے پر اور روس میں قیام کے پہلے سال بھی، کیونکہ میں نے بالشویکوں کی مذمت کرنے سے اس لیئے انکار کر دیا تھا اس سے پہلے کہ میں ان کے تمام انتظامات کا اپنی نظر سے جائزہ نہ لے لوں۔

روزانہ ملنے والی روس کی خبریں جس میں سیاسی لوگوں کی ایذا رسانی ہوتی ہے اس بات کی توثیق کر رہی ہیں جو میں اپنے مقالوں اور کتاب میں لکھ چکی ہوں۔ یہ بات قابل فہم بھی ہے کہ کمیونسٹ تو حقائق کے سامنے آنکھیں بند کر رہے ہیں، لیکن ایسے لوگ قابل ملامت ہیں جو خود کو انارکسٹ کہلاتے ہیں پھر بھی وہی کر رہے ہیں۔ خاص طور سے مولی اسٹیمر کے ساتھ روس میں ہونے والے سلوک کے بعد جبکہ وہ امریکہ میں سویت حکومت کے حق میں بڑی شجاعت سے جنگ لڑ کر گئی تھی۔

روس کے حق میں اس کی سرگرمیوں اور عدم مخالفت کا پرچار کرنے پر امریکی عدالت نے مولی اسٹیمر کو برق رفتاری سے پندرہ سال کے لیئے جیل میں ٹھونس دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ ریاست مسوری کی جیل میں سزا کی میعاد شروع کرتی اسے نیویارک کے مشقت گھر میں چھ ماہ تک ناقابل یقین اذیتیں برداشت کرنا پڑیں۔ جیفرسن شہر کے اصلاحی جیل میں اٹھارہ ماہ رکھنے کے بعد مولی کو اس کے حلقے کے تین اور ارکان کے ساتھ اس لیئے رہا کیا گیا تا کہ انہیں روس کے لیئے ملک بدر کر دیا جائے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ تینوں لوگ کمیونسٹ مملکت کے خیر خواہ تھے۔ مرد تو نئی غلط کاریوں کے جلد ہی عادی ہو گئے اور آمریت کے سطح مرتفع میں بحفاظت نقل و حرکت کرنا سیکھ گئے جو مولی کے بس میں نہ تھا اس کا خمیر کسی اور چیز سے اٹھا تھا۔ اس نے سویت جیلوں کو اپنے کامریڈوں سے آباد پایا، اور جس طرح امریکہ میں ہونے والے جرائم کے خلاف برملا کہتی تھی یہاں اس کے لیئے ممکن نہ تھا کہ اپنا احتجاج متوجہ کانوں تک پہنچا سکے تو اس نے یہ بیڑا اٹھایا کہ چندہ جمع کر کے پیتروگراد جیل میں اسیر اپنے انارکسٹوں کو مناسب خوراک پہنچائے۔ اس نوعیت کے انقلاب دشمن کام کو سویت سرزمین پر کیسے برداشت کر لیا جاتا۔

مولی کی روس میں آمد کے گیارہ مہینوں کے بعد گرفتار کر لیا گیا، اس پر یہ وحشیانہ الزام لگایا گیا کہ وہ اسیر کامریڈوں کو اشیائے خوردنی فراہم کرتی تھی اور الیکزینڈر برکمین اور ایما گولڈ مان سے مماثلانہ روش رکھتی ہے۔ اس کی جاری رہنے والی بھوک ہڑتال اور سرخ تجارتی انجمنوں کی انٹرنیشنل کانگریس میں شریک انارکو۔ سنڈیکلسٹ کے مندوبین کا شدید احتجاج مولی کی رہائی کا سبب بنا لیکن تحریک کی آزادی کا نہ ہوا۔ اسے پیتروگراد چھوڑنے کی ممانعت تھی۔ وہ چیکا کے کڑے پہرے میں رہتی اور اسے پابند کر دیا گیا تھا کہ ہر اڑتالیس گھنٹوں کے بعد متعلقہ حکام سے رابطہ کرے۔ چھ ماہ کے بعد مولی کے کمرے پر پھر دھاوا بولا گیا اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ چیکا نے سوال جواب سے اس کی جان ضیق میں کر دی، اسے ایک غلیظ کوٹھری میں رکھا اور ایک مرتبہ پھر اسے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بھوک ہڑتال کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

انجام کار مولی کو روسی سوشلسٹ فیڈرل سویت ریپبلک سے جلاوطن کر دیا گیا جس کے لئے اس نے امریکہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور جس کے لئے اس نے بخوشی پندرہ برس کی قید قبول کر لی تھی۔ کیا کوئی اور چیز کریملن کے حکمرانوں کی پستی کی اس سے زیادہ زوردار طریقے سے بیان کر سکتی ہے جو ایک زمانے میں خود بھی انقلابی تھے۔ اس کے باوجود کچھ انارکسٹوں نے اس بنیاد پر ملامت کی کہ بالشویکی ہوا کو میں نے لکڑی کی تلوار سے للکارا۔ مولی اور اس کے دوست فلیشن کے مقدمے سے جس میں دونوں ہی یکساں اذیت رسانی اور مصائب سے گزرے تھے میرے لئے کافی تھا کہ میں ماسکو کے کرتا دھرتاؤں کے چہرے داغ دوں۔ وہ تیر کی طرح میرے پاس برلن آئے..... فاقوں کے مارے، بیمار اور قلاش۔ جرمنی میں انہیں روزگار ملنے کا امکان نہ تھا اور نہ ہی کسی اور ملک میں داخلہ آسان نظر آ رہا تھا۔ اس سب کے باوجود ان کی ہمت نقطہ عروج کو چھو رہی تھی۔ وہ بالشویک کے دوزخ سے بچ نکلے تھے جو دیگر ہزاروں باغیوں کے لئے ممکن نہ تھا جو اب بھی کیمونسٹوں کی فردوس میں قید تھے۔ مجھ پر کیا واجب تھا، جوشیلے حامیوں کی مذمت اور ان پر حملے، بہ نسبت اس امر کے کہ میں اس معاملے میں کتنی مجبور تھی کہ میں مولی جیسی انگنت اور ہزاروں ایسے لوگوں کی مدد کرنے سے قاصر تھی جو قید خانوں میں پڑے تھے اور جلاوطن تھے؟ میں جرمنی میں آمد کے بعد ان کے لئے کچھ نہ کر سکی تھی۔

جرمنی میں برپا ہونے والا انقلاب سطحی تھا لیکن یہ چند سیاسی آزادیاں قائم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہمارے کامریڈ اپنے مقالات شائع کر سکتے تھے، کتابیں چھپوا سکتے تھے اور جلسے منعقد کر سکتے تھے۔ کیمونسٹ بھی اپنا پروپیگنڈا چھوٹی موٹی چھیڑ چھاڑ کے باوجود کئے جا رہے تھے۔ جرمنی میں پائی جانے والی جن برائیوں کی مذمت کرتے ان ہی کی وہ روس میں مدافعت کرتے۔ رجعتی قوم پرست عناصر پر بھی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ ان میں بے حد وحساب تکبر تھا جن کا موازنہ صرف قدیم پروسین عہد کے جنگجوؤں سے کیا جا سکتا تھا۔ زمین دوز ریل میں میرا ایسے ہی دو افراد سے واسطہ پڑ گیا۔ وہ فیر دیمتے جو دن کے جنگلے سے ٹیک لگائے بھٹکتی چڑیلوں کی طرح کھڑے تھے اور پدرِ وطن کی بربادی کا سبب لگ رہے تھے۔ میں ایسے ملک میں رہ چکی ہوں جہاں لاکھوں محنت کش یہودی رہتے ہیں۔ میں نے انہیں یہ بتایا اور ان میں بہت سے ایسے ہیں جو انسانیت کی بہتری کے واسطے جرأت مندی سے لڑنے والے بھی ہیں۔ ''وہ کون سی جگہ ہے'' انہوں نے ایک مطالبے کی طرح پوچھا۔ ''امریکہ میں'' میں نے جواب دیا۔ جس پر وہ بپھر گئے اور گالم گلوچ پر اتر آئے۔ انہوں نے چیخ کر کہا کہ امریکہ نے چالبازی سے کام لے کر جرمنی کو فتح سے محروم کر دیا۔ جب ٹرین میرے اسٹیشن پر پہنچی اور میں اترنے لگی تو وہ میرے عقب سے چلائے۔ ''تم ذرا ساٹھہر جاؤ اور حالات کو بدل جانے دو ہم تم جیسوں کو اسی طرح ٹھیک کر دیں گے جیسے روزا لکسمبرگ کو کر چکے ہیں۔''

اگرچہ جرمنی کی اقتصادی حالت پتلی تھی مگر یہاں سیاسی آزادی معقول حد تک حاصل تھی۔ جس کا مطلب ہے مقامیوں کے لئے۔ لیکن میں جرمن نہ تھی یوں مجھے اظہار خیال کا حق نہیں حاصل تھا۔ یہ محض گرفتاری ہی کا معاملہ نہ تھا بلکہ اس کے معنی ملک بدری تھا۔ لگتا یوں تھا جیسے کوئی اور ملک مجھے قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ آسٹریا کو کیوں نہ دوبارہ آزماؤں۔ دیگر ممالک کے اپنے ہم عصروں کی طرح آسٹریا کے وزیر برائے خارجہ امور نے مجھے داخل ہونے کی اجازت دینے پر تحریری آمادگی بھیجی لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں سے احتراز کروں۔ فطرتاً میں نے انکار کر دیا۔

اس گومگو کی حالت میں سے نکالنے کے لئے میرے دوستوں روڈولف اور تلی رو کر نے مجھے دو میں سے ایک راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا کہ میں اپنے قیام کو قانونی بنانے کے لئے جرمن یا برطانوی مرد سے شادی کر لوں۔ پہلا طریقہ روسی دانشور طبقے اور انقلابیوں میں ان دنوں سے روایت چلی آ رہی تھی جب عورتوں کو کوئی سیاسی حقوق حاصل نہ تھے سوائے اپنے شوہروں اور والد کی معرفت۔ جرمنی میں روزا لکسمبرگ نے ایسی ہی ایک برائے نام شادی کے ذریعے اس ملک میں قیام کیا تھا اور اپنا کام جاری رکھا۔ میں بھی یہی کیوں نہیں کر سکتی؟ مجھے ان کے بقول ایسی ہی مضحکہ خیز تقریب میں سے گزر کر اپنی دشواریاں ختم کر لینا چاہئیں۔ بہت عرصہ پہلے امریکہ میں بھی مجھے ایسے ہی اقدام کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ بہت سے کامریڈ اس مقصد کے لئے قربانی دینے کو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آمادہ تھے جن میں میرا پرانا دوست ہیری کیلی بھی تھا۔ یوں ریاست ہائے متحدہ مجھے ملک بدر نہ کر سکتا۔ کلی نے بہ تکرار کہا لیکن میں ایسے مضحکہ خیز اور نامناسب اقدام کرنے سے یوں قاصر تھی کیونکہ میں ساری زندگی نکاح کے ادارے کی مخالفت کرتی رہی ہوں۔ مزید براں روس کی لالچ بھی مجھے گھیرے رہتی تھی جو ایک تابناک خواب تھا۔ وہ بھی اب چکنا چور ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ یہ خیال بھی دم توڑ گیا کہ کوئی مصالحت پر آمادہ ہوئے بغیر بھی روئے زمین پر جی سکتا ہے۔

سویڈن اور دوسرے ممالک میں درپیش آنے والی دشواریوں نے مجھ میں شادی کی تجویز کی بابت کافی خوے بندگی پیدا کر دی تا کہ میں دنیا کے کسی کنارے میں سہی اپنے قدم جما سکوں۔ ہیری کیلی تو اب بھی اپنی پیشکش کے وعدے پر قائم تھا۔ جب اس نے سویڈن کا چکر لگایا تو اس نے پھر ایک مرتبہ مجھے اپنی دلہن بنا کر امریکہ لے چلنے کو کہا۔ نگرانی کرنے والا کتنا عمدہ پرانا سپاہی! وہ نئے قانون سے بے خبر تھا جس کے تحت امریکی خاوند اب غیر ملکی نژاد بیوی کے لئے پاسبان نہ رہا تھا۔

جرمنی میں ایسا کوئی قانون نہیں تھا، روڈولف نے مجھے بتایا اور اس لئے مجھے بھی یہی کرنا چاہئے کہ کسی شخص کو یہ موقع عطا کروں کہ وہ مجھے ''ایک معزز عورت'' بنا ڈالے! اگر یہ قابل قبول نہیں ہے تو مجھے برطانیہ عظمیٰ چلا جانا چاہئے۔ یہ ملک ابھی تک سیاسی معاملات کی حد تک ایک آزاد ترین ملک تھا۔ اگر ممکن ہو تو وہ خود بھی وہاں واپس جانا چاہتا تھا۔ اسے انگلستان میں اپنے پیدائش کے ملک کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہرا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ وہ وہاں اتنے طویل عرصے تک رہا تھا اور برسر کار رہ چکا تھا جتنا عرصہ ساشا اور میں نے قریب قریب امریکہ میں گزارا تھا۔ وہ اس بات کو سمجھ سکتا تھا کہ میں خود کو ہر جگہ اجنبی سمجھتی ہوں اور میں خود کو جرمنی کے کھونٹے سے باندھ کر کیوں نہیں رکھنا چاہتی۔ میں اپنے مرکز ثقل سے ہٹ کر غالباً کہیں بھی مطمئن نہیں رہ سکتی تاہم دوسری بہترین جگہ برطانیہ ہے۔

میں دبدھے میں تھی۔ یہ مجھے ممکن نہیں لگتا تھا کہ برطانیہ عظمیٰ کسی اور ملک کے مقابلے میں جنگ کے بداثرات سے محفوظ رہا ہوگا۔ اس کے باوجود آزمالینے میں کیا حرج ہے۔ ان دنوں میری حالت معلق تھی۔ میں نے روس کے سیاسی کارکنوں کے حق میں جب ایک جلسے سے خطاب کیا تو مجھے ایک سرکاری تنبیہ مل گئی کہ میں آئندہ سویت ریپبلک کے خلاف ایک لفظ منہ سے نہ نکالوں۔

ایک اور دشواری یہ درپیش تھی کہ بذریعہ قلم روزگار کیسے پیدا کروں۔ جرمنی کے اخبارات میں تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہت سے مقامی اہل قلم فاقہ کشی کر رہے تھے۔ اور فی الحال امریکہ میں جرمنی کے خلاف نفرت اب بھی زوروں پر تھی۔ دو مضامین جو میں نے دی نیویارک ورلڈ کو روانہ کئے وہ لوٹا دیئے گئے۔ ایک میں گرہارٹ ہاپٹمین پر روشنی ڈالی گئی تھی جو اس کی ساٹھویں برسی پر لکھا گیا تھا اور جو قومی پیمانے پر منائی جا رہی تھی۔ اخبار نے مجھے بذریعہ تار مطلع کیا تھا کہ میں بریسلاؤ جاؤں جو تقریبات کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ لیکن میرا مضمون اس وجہ سے لوٹا دیا کہ یہ بہت ''زیادہ عالمانہ تھا۔'' میرا دوسرا مقالہ (رور) مزدوروں کو مقبوضہ بنائے جانے پر تھا اور اس سے پیدا ہونے والی تلخی اور مصائب سے تھا۔ تیسرا مقالہ جرمنی کے نئے تجرباتی اسکولوں پر تھا اور چوتھا مضمون جرمن آرٹ، ادب اور محنت سے وابستہ ممتاز خواتین کے متعلق تھا جنہیں درجن بھر رسائل نے لوٹا دیا یوں میرے لئے جرمن موضوعات پر لکھ کر چٹنی روٹی کما لینا بھی ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ برینارڈ کی سینے جس نے ہمارا سمجھوتہ توڑ ڈالا اور میری کتاب کا ستیاناس کر دیا۔ اب کسی آمدنی کا امکان ختم ہو چکا تھا۔

انگلینڈ کسی طرف سے بہت پرکشش نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے باوجود ممکن ہے مجھے سیاسی پناہ دینے کا متحمل ہو جائے اور وہ بھی بہتر سیاسی آزادیوں کے ساتھ۔ اور شائید اس کا موقع نکل آئے کہ میں تقاریر کر کے اور مضامین لکھ کر روزگار پیدا کرنے کے قابل ہو جاؤں۔ فرینک ہیریسن ان دنوں برلن میں مقیم تھا اور اس کے گھر پر دعوت شیراز چل رہی تھی۔ اس کی دلچسپی اور مہربانیاں بالکل نہ بدلی تھیں اور بالکل وہی تھیں جیسی مسوری جیل کے زمانے میں ہوا کرتی تھیں۔ میرا برطانیہ میں داخلہ آسانی سے ہو سکتا ہے، اس نے کہا۔ وہ برطانیہ کی لیبر حکومت میں تقریباً ہر ایک کو جانتا ہے اور وہ میرے لئے ویزا لینے کی کوشش کرے گا۔ اس کے فوراً بعد فرینک فرانس کے لئے روانہ ہو گیا اور اس کے کئی مہینوں کے بعد اس کی طرف سے مجھے کچھ سننے کو ملا۔ اس نے اطلاع دی کہ برطانیہ کے ہوم آفس نے میرے سیاسی نظریات کے متعلق کوئی سوال نہ پوچھا۔ اس نے تو محض یہ پوچھا کہ تمہارے پاس گزر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اوقات کے وسائل ہیں، جس پر فرینک نے یہ جواب دیا کہ میں ایک لائق مصنفہ ہوں جو اپنی بود و باش کے اخراجات بذریعہ قلم کماتی ہوں۔ علاوہ ازیں وہ درجن بھر افراد کا نام لے سکتا ہے جو اس بات کو باعث اعزاز جانیں گے کہ وہ اپنے دوست کی کفالت کریں جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد برلن کے برطانوی کونسل نے مجھے اطلاع بھیجی کہ مجھے ویزا منظور کر دیا گیا ہے۔

ماسوا اس کے کہ میں ساشا اور دیگر دوستوں سے چھٹ رہی ہوں جو مجھ سے انسیت رکھتے ہیں مجھے جرمنی چھوڑتے وقت کوئی افسوس نہ تھا۔ زمانے کے متعدد تغیرات نے جن میں امریکہ میں میری ماں کی موت کو نہ شامل کیا جائے تو بھی میرے لئے خوشی اور مسرت کا کوئی لمحہ نہیں آیا۔ حکماً بے دست و پا کر دیئے جانے کی وجہ سے گزشتہ ستائیس ماہ کے قیام کے دوران میں چند گھنٹوں کا سکون بھی ناقابل برداشت ہونے لگتا۔ ساشا اپنی کتاب (The Bolshevik Myth) 'بولشویک گورکھ دھندہ' مکمل کر چکا تھا۔ اس کی صحت بھی عمدہ تھی، حلقہ احباب بھی پیدا کر لیا تھا اور وہ روس کی جیلوں اور ملک بدر انقلابی سیاسی کارکنوں کی مدد کے کام میں خود کو وقف کئے ہوئے تھا۔ جہاں تک باقی ماندہ کا تعلق ہے تو میں جان چھڑا کر خوش تھی۔ برطانیہ میں شائید میرے قدم جم جائیں، میری توانائیوں کے نکاس کا کوئی وسیلہ نکل آئے اور میری اپیل کا کوئی اثر ہو جو میں سویت دھرتی پر مردود اور انجام بد کے منتظر لوگوں کے لئے کرنا چاہتی ہوں۔ داؤ پر اتنا لگا ہوا تھا کہ جس کے لئے انگلستان جانا چاہئے۔ یہ ایک نئی امید پیدا ہوئی تھی جس سے چمٹ جانا چاہئے۔ اس خیال نے مجھ میں اتنی ہمت پیدا کر دی کہ میں نے ۲۴ جولائی ۱۹۲۴ء کو جرمنی کو خیر باد کر دیا اور ہالینڈ اور فرانس ہوتی ہوئی برطانیہ کے لئے روانہ ہو گئی۔

میرا ولندیزی ویزا مجھے وہاں تین دن قیام کی اجازت دیتا تھا اس کے باوجود اتنی مہلت مل گئی کہ جنگجوئی کی مخالف سوسائٹی کی بیس سالہ تقریبات سے مجھے خطاب کرنے کا موقع مل گیا جسے ہمارے عظیم اور نامور نقیب امن دمیلانیوں ہاوز نے منظم کیا تھا۔ ولندیزی خفیہ پولیس کے ملازمین میرے میزبان کی نگرانی کر رہے تھے جسے دی لایٹ (رات دن) کہا جاتا۔ انہوں نے اسٹیشن تک ہمارا تعاقب کیا اور اس وقت تک انتظار کرتے رہے جب تک ٹرین روانہ نہ ہو گئی۔ ان ہی اوقات میں ولندیزی حکومت ایک اور آنے والے کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھی جو سویت کا نمائندہ تھا۔ نہ اس کے قیام کی معیاد مقرر کی گئی تھی نہ ہی اس کی حرکات سکنات پر نکرین مقرر کئے گئے تھے۔ جب میں نے اس جانب اشارہ کیا کہ ولندیزیوں جیسے ملک کی رجعت پرست حکومت کمیونسٹ ریاست کے سفارتی نمائندے کی کیوں اتنی آؤ بھگت میں لگی ہوئی ہے۔ اس پر میرا دوست مسکرایا ''روس گیہوں پیدا کرنے والا ملک ہے اور روٹرڈم اس کی برآمدات کا ایک اچھا مرکز ہے۔'' انہوں نے یہ وضاحت کی۔

فرانس کو عبور کرنے کا میرا ویزہ دو ہفتوں کا تھا۔ سرحد پر انسپکٹر نے یہ اصرار کیا کہ اس میں قیام کرنے کی اجازت نہیں ہے اور مجھے فوراً پہلی کشتی میں سوار ہو جانا چاہئے جو انگلینڈ کے لئے روانہ ہو رہی ہو۔ میں اڑ گئی۔ طویل گفت و شنید کے بعد اور امریکی ڈالر سے مٹھی گرم کرنے کے بعد مجھے داخل ہونے دیا گیا۔

پاغی (پیرس) میں دو ہفتے' ایسا شہر جو یورپ میں مجھے سب سے پیارا ہے امریکی دوستوں کے جھرمٹ میں اور رنگین بن گیا۔ پاولا تھا جو برلن سے آیا تھا، ہیری وین برگر پیاری ڈورتھی مار، فرینک اور نیلی ہیرس اور کئی دوسرے جن میں سے چند ایک سے میں پانچ برس سے نہیں ملی تھی۔

''دو ہفتے'' وین برگر نے احتجاج کیا ''میں تمہیں مزید مہینہ بھر کی توسیع دلا دوں گا۔''

''یہ تم کیسے کر سکتے ہو..... جو یہاں اجنبی ہے۔'' میں نے حاضر جوابی سے کام لیا۔

''ناواقف''..... میں؟ جو وکلا کی کانگریس سے اٹھ کر سیدھا یہاں آ رہا ہو، جس کا انگلستان کے بادشاہ نے استقبال کیا ہو اور پھر فرانسیسی ریپبلک کے صدر کے سامنے پیش کیا ہو؟ ہیری نے برہمی میں احتجاج کیا۔ ''بس تم تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔''

صبح کی پوشاک میں ملبوس بلند و بالا ٹوپ دھرے، کوٹ کو فیتوں سے سجائے ہیری..... کوچہ کوئے دا آفے میں میرے حضور پیش ہوا۔ اس کی موکل مادام کرشنر جرمنی سے تشریف لائی ہیں۔ اس نے اعلان کیا۔ اس نے عرض گزاری کی کہ موصوفہ ایک اہم

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کاروباری سلسلے میں اس سے ملنے آئی ہیں جو کم وبیش مہینہ بھر چلے گا۔ ہیری کے خسروانہ انداز پر نظر ڈالنے کے بعد ویزے میں توسیع کر دی گئی۔

''ناواقف'' ہیری نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''ہمت ہے تو ایک مرتبہ اور کہو۔'' میں بھیڑ کی طرح سہمی ہوئی تھی۔

ممنونیت میں میں نے اسے پیرس کی سیر کرانے کی پیشکش کر دی۔ میرے دوست کے جتھے میں اس کے کئی اور رفیق بھی تھے۔ ان میں سے ایک جو مجھے بہت پسند آیا وہ آرتھر لیونارڈ راس تھا وہ اس نایاب قسم کے لوگوں میں سے ایک تھا جس سے آپ ملتے ہی اچھا دوست سمجھنے لگتے ہیں۔

میرے پرانے اور عمر رسیدہ لوگ گھٹتے جا رہے تھے۔ میں دوستی کے معاملے میں عام لوگوں کے مقابلے میں بہت خوش نصیب تھی اور میں نئے بھی بنا لیتی جن میں نیلی ہیرس تھی جو فریک کی اہلیہ ہے۔ میں اس سے پہلے اس سے کبھی نہیں ملی تھی۔ میرے لئے یہ واقعہ پہلی نظر میں گھائل ہو جانے والا تھا۔ اور نیلی بھی اسی طرح لگا کہ مجھے پسند کرنے لگی۔ فریک حسب سابق اب بھی جوان تھا۔ اڑسٹھ برس کی عمر میں کسرت کرنے کی غرض سے وہ رہائش والی عمارتوں کی بارہ اکائیاں پار کر جاتا، شکم سیر ہو کر کھانا کھاتا اور اتنی مئے نوشی کرتا جس سے بہت سے لوگ ڈگمگانے لگتے۔ مئے نوشی اسے مزید ظریف اور شگفتہ بنا دیتی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ اپنی نظروں میں عمر رسیدہ ہو چکا ہے؟ اس حال میں تو بہت سے لوگ پہنچ چکے ہیں لیکن وہ اتنے جاذب نظر نہیں رہے جتنا کہ وہ ہے۔ وہ اپنی داستان گوئی سے لوگوں کا بہت دل بہلاتا اور ان لوگوں کے واقعات سناتا جن سے اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں متعدد علاقوں میں ملا تھا۔ ان میں راج مستری، چرواہے، مدبرین سے لے کر فنون اور ادب کے نابغہ روزگار سب ہی شامل تھے۔ فریک محبتوں اور نفرتوں کے معاملے میں انتہا پسند تھا۔ اگر وہ کسی کا خیال رکھتا ہے تو ہر مدح وستائش ناکافی تھی اگر وہ آپ کو ناپسند کرتا تو اسے آپ میں ہر برائی دکھائی دے گی۔ اس کے دشمن چاہے وہ حقیقی یا خیالی ہوں ان میں اصلاح کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار وہ حق پر نہ ہوتا اور ناانصافی پر اتر آتا جس پر ہم ایک دوسرے پر زبانی چوٹیں کرتے۔

میرے پیرس کے قیام کے طول سے مجھے لندن جانے میں جو کراہت تھی اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں اس کے دھند سے خوفزدہ تھی، تاریکی اور سردی سے۔ فریک نے زور دیا کہ مجھے مزید تاخیر نہیں کرنا چاہئے۔ اسے اندیشہ تھا کہ آنے والے انتخابات میں لیبر حکومت شکست کھا جائے گی اور ٹوری والے میرے ویزا کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ میری ہمت افزائی کے لئے اس نے کئی دلچسپ لوگوں کا ذکر کیا جن سے مجھے ملنا چاہئے جو مجھ سے تپاک سے ملیں گے اور روسی سیاسی کارکنوں کی مدد کرنے کی مہم کا جو خاکہ میرے ذہن میں تھا اس سلسلے میں میری مدد بھی کریں گے اس کے ساتھ ہی میرے تھیٹر اور ادبی لیکچروں کے معاملات میں بھی دستگیری کریں گے۔

فریک ہمیشہ کی طرح مدد پر آمادہ تھا۔ مگر وہ لندن کے موسم سرما اور خزاں کو میرے لئے دلکش نہیں بنا سکتا تھا۔ اگر مجھے فرانس کی واپسی کا ویزا مل جائے تو شائد انگلستان میرے لئے اتنا تکلیف دہ نہ ثابت ہو۔ ہنری وین برگ دخانی جہاز سے روانہ ہو چکا تھا اور پیرس میں جو میرے شناسا تھے ان میں سے زیادہ تر کی وہاں تک رسائی نہ تھی جو میری واپسی کے ویزا کا انتظام کر سکتے۔

ارنسٹ ہیمنگوے سے میری ملاقات ہوئی جس سے کچھ امید بندھی یہ ایک تقریب میں ہوا جو فورڈ میڈوکس فورڈ نے ترتیب دی تھی۔ تقریب پھیکی ہوتی اگر ہیمنگوے وہاں نہ آیا ہوتا۔ اس نے اپنی سادگی اور منچلی روح کی وجہ سے مجھے جیک لنڈن اور جون ریڈ کی یاد دہانی کرائی۔ اس نے مجھے عشائیے کی دعوت دی اور اپنے ایک صحافی دوست کو بھی بلایا جو ہیمنگوے کی دانست میں میرے لئے فرانسیسی ویزا کا انتظام کر سکتا تھا۔ ارنسٹ ایک گول مٹول بچے کے پُر افتخار باپ کے طور پر مقابلتاً کم عمر اور گھر کی آرائش کے پس منظر میں خوشتر لگ رہا تھا۔ اس کا صحافی دوست مجھے متاثر نہ کر سکا نہ ہی وہ خود میرے ویزا کے سلسلے میں کچھ کر پایا اگرچہ اس نے وعدے وعید بہت کئے۔ اس کے بجائے اس نے میرے متعلق ایک فضول سی کہانی لکھ ماری جو اپنے مفہوم میں روس پر ایک انٹرویو لگتی ہے جس کا حرف حرف صداقت سے خالی ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۵۵

ہر کہہ ومہہ امریکی نامہ نگاروں سے شاکی ہے، اس کے باوجود وہ لندن کے خزاں اور موسم سرما میں ایسا نہیں کرسکتا۔ اس وقت گہری کہر چھائی ہوئی تھی اور بوندا باندی جاری تھی جب میں ستمبر کے مہینے میں لندن پہنچی اور مئی آنے تک اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ میرے ۱۹۰۰ء کے پھیرے کے برعکس جب میں ایک تہہ خانے میں ٹھہری تھی، اس مرتبہ میرا قیام مقابلتاً ایک بلند مقام پر ہوا جو میرے پرانے دوست ڈورس ڈھوک کے مکان کی تیسری منزل پر واقع کمرہ خواب میں تھا۔ اس میں مجھے تیل کے چولھے کی عیاشی بھی میسر تھی جسے میں دن بھر جلائے رہتی۔ دھند کا عفریت میری بوڑھی ہڈیوں میں سے سردی بھگانے کی تمام کوششوں کا منہ چڑایا کرتا حالانکہ یہ کیفیت اس وقت بھی رہتی جب میں کبھی کبھار سورج کی کرنوں سے تھوڑی سی خوشی چرا لیتی۔ ڈورس اور دیگر کامریڈ اس پر مصر رہتے کہ ان دنوں ''اتنی سردی نہیں ہے۔'' امریکہ کے بھاپ سے گرم کئے ہوئے مکانات کے لاڈ نے مجھے ''نرم برطانوی آب وہوا'' کے لئے بگاڑ دیا ہے، وہ مجھ سے کہتے۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ اپنے گھروں کو اندرونی طور پر گرم رکھنے کا انتظام نہ کراتے۔ آتشدانوں کا نظام ''زیادہ فہمیدہ، زیادہ صحتدار اور خوشگوار ہوتا ہے۔'' میں نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ میں امریکہ سے دور پانچ برس رہ چکی ہوں اور اس کی مادی آسائشیں فراموش کر چکی ہوں۔ میں ان دنوں آرک اینگل (روس) میں تھی جہاں درجہ حرارت منفی پچاس ہو گیا مگر مجھے وہاں اتنی سردی نہیں لگتی تھی۔ وہ کہنے لگے یہ شاعرانہ زور تخیل ہے۔ اگر رطوبت سے کسی کی جان پر بنتی ہے تو اس سے رنگ گورا رہتا ہے، پت جھڑ خوب ہوتا ہے اور برطانوی سلطنت مستحکم ہوتی ہے۔ نازک کھالیں، فرحت بخش سبز میدان اور سبزہ زار، یہ سب موسم ہی کی دین ہے اور اپنے وطن کے موسم سے فرار کے معاملے میں اہل برطانیہ دنیا کے باقی ماندہ لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سیلانی اور نوآبادیاں بنانے والے بن چکے ہیں۔

مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ میری جسمانی مجبوریاں میرے لئے سب سے کم مسئلہ بن سکتی ہیں۔ لندن کے انارکسٹ میرے برسہا برس کے دوست تھے،، مدد پر کمربستہ اور میں جو بھی کرنا چاہتی اس میں معاونت کے لئے تیار۔ وہ زمانہ ماقبل جنگ کی گروہوں کی روایات کے امین چوبدار تھے اور اس عہد کی آخری یادگار تھے۔ جن میں جون ٹرنر، ڈورس ڈھوک اس کا بھائی ولیم ولس، ٹوم کیل اور ولیم سی اوون جو امریکہ میں میرا ہمکار رہ چکا تھا۔ مگر وہ آپس میں تقسیم در تقسیم تھے۔ ٹوم کیل جو فریڈم کا ناشر تھا اور اوون اس کا مدیر، ہر نوعیت کے نشیب وفراز کے باوجود اخبار کو زندہ رکھے تھے۔ مگر لندن میں یا اس کے صوبوں میں تحریک میں کوئی دم خم نہ تھا اور یہ بات مجھے جلد ہی پتہ چل گئی۔ چونکہ میں برلن کی ہیجانی انارکسٹ سرگرمیوں کے علاقے سے چلی آ رہی تھی اس لئے انگلستان کی صورتحال مجھے یاسیت والی لگی۔ عمومی سیاسی صورتحال میرے اندازوں سے بھی بدتر نکلی۔ جنگ نے روایتی برطانوی روشن خیالی کو تہس نہس کر دیا تھا اور سیاسی پناہ کے تصور کو دوسری قومی ریاستوں کے مقابلے میں بدتر کر دیا تھا۔ ترقی پسند سماجی نظریات کے حامل افراد کے لئے ملک میں داخل ہونا انتہائی دشوار ہو چکا تھا۔ اور ان کے لئے اور دوبھر جو سماجی، سیاسی نظریات کی نشرواشاعت میں مشغول ہوں۔ لیبر پارٹی کی حکومت بھی ٹوریوں کی طرح معمولی عذر پر لوگوں کو ملک سے نکال رہی تھی۔ میرے کامریڈوں کو یہ بات غیر معمولی لگی کہ مجھے ویزا جاری کر دیا گیا اور انہوں نے یہ شک بھی ظاہر کیا کہ اگر میں سیاسی طور پر سرگرم ہو جاتی ہوں تو اس صورت میں مجھے زیادہ عرصے نہیں ٹھہرنے دیا جائے گا۔ پردیسی۔ مخالف قوانین نے ایڈیشن انارکسٹ تحریک کو تقریباً برباد کر دیا تھا وجہ یہ تھی کہ ایسٹ اینڈ کے علاقے میں سرگرم ہر کارکن کو صبح شام ملک بدری کا دھڑکا لگا رہتا۔ ریڈیکل حلقوں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں ماسکو کے مذموم ہتھکنڈوں کی وجہ سے رجعت پسند قوتوں کے ہاتھ مضبوط ہوئے تھے۔ ماضی میں لبرل اور ریڈیکل حلقے سیاسی آزادی پر آنے والی ہر آنچ پر مشترک موقف اختیار کرتے تھے اور اسی طرح اقتصادی ناانصافی کے خلاف بھی۔ ان دنوں وہ روس کے سوال پر ایک دوسرے کا گلا دبوچ رہے ہیں۔

انقلاب کے بیٹھ جانے پر پرانے انقلابی تو طلسم خیال کے پارہ پارہ ہونے سے نڈھال تھے۔ نئی نسل، اگر ان نظریات میں کچھ دلچسپی بھی رکھتی تھی (وہ بھی تھوڑی سی) تو وہ بالشویکی جگمگ سے چکاچوند کا شکار تھی۔ کمیونسٹ سازشیں اور اعلانیہ مجرم ٹھہرانے سے درمیانی وسیع گڑھا بڑھتا جا رہا تھا۔

یہ دلگیر کر دینے والی تصویر تھی۔ لیکن میں انگلستان میں تھی اور میرا یہاں سے فرار ہونے کا کوئی ارادہ نہ تھا حالات چاہے جیسے ہوں۔ میرے کامریڈوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ میرا نام اور روسی حالات سے میری واقفیت سے ممکن ہے کہ ریڈیکل اور محنت کش دھڑے یکجا ہو کر آمریت کا شکار ہونے والے سیاسی کارکنوں کی حمایت کرنے لگیں۔ انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ میری برطانیہ میں موجودگی ہمارے کامریڈوں کو گرما دے گی۔ مگر اس صورتحال سے میں پرامید نہ تھی۔ میں یہ نہیں جانتی تھی کہ لوگوں تک اپنی بات کیسے پہنچائی جائے اور واحد تجویز جو میں پیش کر سکی وہ یہ تھی کہ لندن کی لبرل پبلک کو کسی ریسٹورینٹ میں عشائیے پر بلایا جائے اور ان کے سامنے میری رونمائی کر دی جائے۔ میرے کامریڈوں کی اس بات پر باچھیں کھل گئیں اور وہ کام میں جُت گئے۔

میرے ایک رقعے کے جواب میں ریبیکا ویسٹ نے جواب دیتے ہوئے مجھے ظہرانے پر مدعو کیا۔ اس میں یہ دیکھ کر مجھے بہت تعجب آمیز مسرت ہوئی کہ اس کے اطوار کو برطانوی انداز چھو کر نہیں گزرے تھے۔ مگر انداز گفتگو سے میں یہی سوچ سکتی تھی کہ جیسے اس کا تعلق مشرقی ایشیائی علاقے سے ہو۔ وہ منچلی، بے تاب، دلکش اور بے ریا نکلی۔ اس کا سلوک' کمرے کی بھلبھلاہٹ اور گرما گرم چائے۔ وہ بھی موسم خزاں کی ایک بے کیف سہ پہر میں بگھی کے ایک طویل سفر کے بعد۔ اس نے بڑی بے تکلفی سے اعتراف کر لیا کہ اس نے میری تحریریں نہیں پڑھی تھیں مگر پھر بھی وہ مجھے اتنا جانتی ہے کہ عشائیے میں وہ دوسرے لوگوں کے بعد بولے گی اور اس استقبالی عشائیے میں اپنے خیر مقدمی کلمات کا اضافہ کرے گی جس سے اسے خوشی ہوگی۔ وہ میرے لئے ایک شام بھی ترتیب دے گی تا کہ اس کے دوست مجھ سے مل سکیں۔ میں اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے اس سے رابطہ کرنے میں تکلف نہ کروں۔ میں اس احساس کے ساتھ اپنی میزبان سے رخصت ہوئی کہ مجھے ایک دوست مل چکی ہے اور اسی لندن میں جو مجھے صحرا لگتا ہے ایک نخلستان نکلی۔

عشائیے والا دن تاریکی میں شروع ہوا اور موسلا دھار بارش میں اختتام کو پہنچا۔ میں ڈوبتے دل کے ساتھ ریسٹورینٹ پہنچی۔ ڈورس نے مجھے تسلی دی کہ انگلینڈ ''میں کوئی بھی موسم کو اہمیت نہیں دیتا۔ میں جانی پہچانی شخصیت ہوں اور مجمع کھنچا چلا آئے گا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ والے، صحافت کے لوگ اور چند ایسے لوگ بھی جو امریکی لبرل خیالات سے آگاہ ہیں۔'' میں نے تڑ سے جواب دیا۔ خود فریبی کوئی اچھی بات نہیں ہے، میں انگلستان کو تہ و بالا نہیں کر سکتی۔ ''ایک ناقابل علاج قنوطن'' میری سہیلی ہنسنے لگی۔ اسے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ میں اتنے برسوں تک یہ تحریک کیونکر چلاتی رہی۔ غریب ڈورس اس وقت غش کرنے لگی جب ہم لوگ ہوٹل پہنچے۔ شام کے سات بجے تھے اور وہاں بارہ اور پر ایک آدمی نہ تھا۔ لیکن آٹھ بجے وہ ہوا میں اڑ رہی تھی دو سو پچاس افراد اس کھانے کے کمرے میں جمع تھے اور ان لوگوں کے لئے جو چلے آ رہے تھے مزید میزیں بچھانا پڑ رہی تھیں یہ اس وقت تک ہوتا رہا جب تقاریر شروع ہو چکی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر حد درجہ متاثر ہوئی کہ اس آندھی پانی کی رات میں اتنے بہت سے لوگ میرے استقبال کے لئے جان پر کھیل کر گھروں سے نکل پڑے۔

شام کی رونق دیکھنے والی تھی، ہیولاک ایلس، ایڈورڈ کارپینٹر، ایچ جی ویلس، لیڈی وارک، ازرایل زانگول اور ہنری سالٹ کے خیر مقدمی پیغامات اور ماضی کی میری تمام کوششوں کو خوبصورت خراج عقیدت پیش کرنے والا کرنل جوزیا۔ سی ویجوڈ جو ہمارا چیئرمین تھا اور ریبیکا ویسٹ نے بھی اس کے بعد برٹرینڈ رسل نے اور اس کا رروائی سے زمین پر میرے پاؤں نہیں ٹک رہے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھے۔جس مہمان نوازی اور فیاضی سے انگلستان میں سیاسی پناہ گزینوں سے سلوک کیا جاتا ہے کرو پوٹکن اس کا اکثر ذکر کیا کرتا تھا وہ روایات ابھی ختم نہ ہوئی تھیں۔اسی ممنونیت کے جذبے سے میں نے اپنے خطاب کو شروع کیا اور انگلستان میں اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور ان چیزوں کو بتایا جو میں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے اتنے متوجہ سامعین شائید ہی کبھی ملے ہوں جب تک میں نے روس کا ذکر نہ چھیڑا۔کرسیاں کھسکنے لگیں، گردنیں گھومنے لگیں اور چہروں پر ناپسندیدگی کے سائے مجھے نظر آنے لگے اور یہ ابتدائی اشارے تھے کہ یہاں ہر چیز میں اتنی ہم آہنگی موجود نہیں ہے جیسی آغاز میں نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ میں نے اپنے سامعین کو ۱۹۰۵ء کے روسی انقلاب کی یاد دہانی کرائی اور تباہ کن نتائج کا ذکر کیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب ہمارا ممتاز اور نامور کامریڈ پیتر کرو پوٹکن انگلستان میں مقیم تھا۔جس نے لبرل اور ریڈیکل دنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑا تھا تاکہ وہ وہاں کے سیاسی لوگوں پر کی جانے والی خوفناک ایذا رسانی کے خلاف احتجاج کریں اس کی ''ہاہا کار'' کی بازگشت دارالعوام میں سنائی دی تھی اور یوں آمریت پر قدغن لگ سکی۔''آپ کو یہ سن کر صدمہ پہنچے گا کہ ویسی ہی صورتحال آج روس میں پائی جاتی ہے۔''میں نے کہا۔حکمراں اپنی پرانی دہشت کو جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔ ہائے افسوس! لیکن آج کرو پوٹکن زندہ نہیں ہے جو انہیں انسانی عدالت کے کٹہرے میں کھینچ کر لا کھڑا کرے۔ میں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں نہیں محسوس کرتی کہ میں اپنے عظیم استاد کی فہم وفراست اور شخصیت کی کسی طرح ہم پلہ ہوں لیکن اس کے باوجود میرا یہ عزم ہے کہ میں روس کی ڈراؤنی صورتحال کا واویلا کر کے رہوں گی۔ مجھ میں جتنی بھی صلاحیت ہے اور جتنی بھی آواز کی میں مالک ہوں میں گلا پھاڑ پھاڑ کر سویت آمریت کے خلاف ''ہاہاؤ ہو'' کرتی رہوں گی جو سیاسی کارکنوں کو ایذائیں دے رہی ہے، قتل کر رہی ہے اور وحشیانہ انداز میں اذیت دے رہی ہے۔

تالیوں کی گونج میں احتجاج کی صدا بھی بلند ہوئی۔ چند مدعوئین اچھل کر کھڑے ہوگئے اور تقریر کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔انہوں نے کہا کہ وہ کسی حال میں اس بات پر اعتبار نہیں کر سکتے کہ باغی اول ایما گولڈمان قدامت پسندوں سے الحاق کر کے پرولتاریوں کی ریپبلک سے محاذ آرائی کرے گی۔ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر لقمہ نہ توڑتے اگر انہیں معلوم ہوتا کہ میں اپنے رجعت پسندانہ ماضی سے رجوع کر چکی ہوں۔کافی دیر ہو چکی تھی۔ یہ شام میرے لئے بہت اہم بن چکی تھی اس لئے اس کا ہنگامے میں ختم ہونا مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ہم نے کوینز ہال میں ایک میٹنگ کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ میں نے سامعین کو اس کی اطلاع دی اور کہا کہ ہمیں وہاں موقع ملے گا کہ اس مسئلے پر پوری تفصیل سے بحث مباحثہ کر لیں۔

اس عشائیے سے متعلق روداد لندن کے روزناموں میں لفظ بلفظ اور جائز تھیں۔صرف ہیرالڈ نے میری گفتگو سے انحراف کیا تھا اس کے باوجود اس نے دیگر تقاریر کے متعلق ایک مختصر پیراگراف شائع کیا۔ مجھے اطلاع ملی کہ اس کے مدیران جیورج لانسبری اور ہملٹن فایف میرے ''اعتماد کو ٹھیس'' پہنچانے پر ناراض تھے۔انہوں نے اپنے ناموں کے ساتھ جیورج سلوکومب کا نام بھی نتھی کر لیا تھا جنہوں نے برطانیہ کی وزارت داخلہ (ہوم آفس) کو اطمینان دلایا تھا کہ میری انگلستان آمد کا واحد مقصد برطانوی عجائب گھر میں تحقیقی کام کا تھا۔ میں نے اپنے دوستوں کو سمجھایا کہ مسٹر سلوکومب ہی وہ شخص ہے جس کی معرفت فرینک ہیرس نے میرے انگلینڈ میں داخلے کی اجازت حاصل کی تھی۔نہ ہیرس اور نہ ہی میں نے اسے یہ اختیار دیا تھا کہ وہ میری طرف سے کوئی عہد وپیمان کر لے۔ جہاں تک ہیرالڈ کے حضرات کا تعلق ہے ویزا حاصل کرنے میں ان کی مدد کا کتنا حصہ تھا یہ امر میرے لئے ایک خبر سے کم نہیں۔ میں مسٹر فایف سے واقف نہیں اور مسٹر لانسبری سے میں روس میں ملی تھی اور چونکہ مجھے اس کے کمیونسٹ مملکت سے میلان کے متعلق علم ہے یہ میرے سان وگمان میں نہ آتا کہ میں اس سے احسان لینے کو سوچتی۔لیکن جناب لانسبری کے اس درد کو میں بخوبی سمجھ سکتی ہوں جو میری اس ممکنہ مہم سے ہوسکتا ہے جو میں روسی حالات پر روشنی ڈالنے والی ہوں۔جن صاحب نے یہ بیان تصنیف فرمایا ہے کہ جناب مسیح کی تعلیمات کا روس میں اعادہ ہو چکا ہے وہ اس کے متحمل نہ ہوسکیں گے کہ انہیں تمسخر کا نشانہ بنایا جائے۔

میرا یہ عقیدہ کہ حکومتی قلابازیوں سے خلقت کی معاشی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی' سوشلسٹ جن کے ہاتھوں میں زمام اقتدار ہے جن میں برطانیہ عظمیٰ بھی شامل ہے، سب ہی نے مملکت کے سوال پر میرے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میلانات کو مستحکم کیا ہے۔ وہ کہیں بھی محنت کشوں کی زندگی میں کوئی بہتری لانے میں مدد نہیں کر سکے۔ مجھے یہ بھی اطمینان ہے کہ مسٹر میکڈونلڈ اپنی دوسری میعاد حکومت میں بھی پہلی مرتبہ کی طرح کچھ اور نہ کر سکیں گے۔ لیکن ایک انتہائی اہمیت کا مسئلہ یہ ہے جو لیبر حکومت انجام دے سکتی ہے کہ سویت حکومت کو تسلیم کر لے۔ مجھے اس میں گہری دلچسپی ہے کیونکہ اس سے کمیونسٹ حکومت کے ماتھے پر سے شہادت کا نورانی تاج اتر جائے گا۔ یوں انٹرنیشنل پرولتاریوں کو احساس ہو جائے گا کہ سویت حکومت بھی اسی گارے مٹی کی بنی ہوئی ہے جس سے باقی سب بنی ہیں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ مہم کے دوران میں روس کا ذکر نہ آنے دوں گی۔

معاملہ اب ختم ہو چکا تھا اور میری تقریریں انڈیپنڈنٹ لیبر پارٹی کی تقدیر پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھیں۔ اقتدار میں ہو کر غربت اور ملک کے مصائب سے نہ نمٹنے میں اس کی اپنی نالائقی کا دخل تھا جو اس کی شکست کا باعث ہوئی۔ میں اب 'دی ٹائمز' اور 'دی ڈیلی لندن نیوز' کے لئے وہ مضامین لکھنے کے لئے آزاد تھی جو وہ مجھ سے لکھنے کو کہہ رہے تھے۔ معاملہ صرف یہ نہیں تھا کہ میں مالی لحاظ سے خالی ہاتھ ہونے والی تھی بلکہ اہم وجہ یہ تھی کہ کوینز ہال میں جلسہ کرنے کے لئے ہمیں رقم درکار تھی۔ برطانوی انارکسٹ اتنے غریب تھے کہ وہ چند شلنگ سے زیادہ چندہ نہیں دے سکتے تھے اور کسی بھی صاحب حیثیت نے رقم دینے کی رضا کارانہ پیشکش بھی نہ کی تھی۔ میں خوش تھی کہ میں نے چالیس پونڈ کما لئے ہیں اور اس کے ساتھ کافی لوگوں سے خطاب کر چکی ہوں۔

انتخابات اور آنے والی تعطیلات کی وجہ سے ہماری میٹنگ کو جنوری تک ملتوی کرنا پڑا۔ میرے دوستوں کا اصرار تھا کہ ہمارے لئے متعدد کمیٹیوں کی حمایت ناگزیر تھی جس سے ہمارے مقصد کی اخلاقی کامیابی وابستہ ہے۔ میں نے تاخیر پر چھپتی کسی اور کمیٹی کے خیال کا برا مانا۔ میں نے ضبط تولید کے سلسلے میں ہونے والے بڑے جلسوں کا ذکر کیا جس کا میرے ہمکار بن رینٹین نے بڑی تگ و دو سے منظم کیا تھا جبکہ اسے چند کامریڈوں کی اعانت حاصل تھی۔ اسی طرح ساشا نے بڑے مظاہروں کا انتظام کیا تھا اور ہمارے جنگ۔ مخالف احتجاجات بھی مثالی تھے۔ ہمیں کوئی مستقل حمایت میسر نہ تھی۔ آخر یہ لندن میں کیوں ضروری ہے؟ امریکہ میں ساشا اور مجھے لوگ خوب جانتے تھے مگر انگلینڈ میں معاملہ الٹا ہے' میرے دوستوں نے جواب دیا۔ یہاں لوگ بھیڑ چال چلتے ہیں اور ایک گڈریا انہیں ہانکتا ہے اور یہی اصول پارٹی تنظیموں' انجمنوں اور کلبوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ہمیں عوام کے کان میں بات ڈالنے کے لئے ان کی حمایت درکار ہے۔ تاہم وہ ریبیکا ویسٹ کے اس قول کے ہم خیال تھے جو اس نے مجھ سے کہا تھا کہ یہاں بغیر ملازمت کے لیکچر دینے کے کام کی گنجائش ہے۔ ''انگلستان میں ایسا نہیں ہوتا'' اس نے کہا تھا۔ لندن کے سامعین صرف اس وقت داخلہ فیس دیتے ہیں جب کوئی خیراتی مقصد ہو۔

اپنی عوامی زندگی میں' میں مختلف حلقوں سے عارضی طور پر منسلک رہی ہوں۔ میں نے ان کے لئے کام کیا تھا مگر ان کے ساتھ کام نہیں کیا۔ امریکہ میں میری سرگرمیوں کی جو بھی اہمیت ہو اس کی وجہ میری ملازمت گریز اور مختارانہ حیثیت رہی۔ میرے لندن کے دوستوں کا اصرار تھا کہ یہاں کے پہلے بڑے عوامی جلسے میں آنے کے لئے کسی تنظیم کی معقول حمایت حاصل ہونا چاہئے۔ عشائیہ پہلے ہی لندن میں میری موجودگی اور میرے مقاصد کی جانب توجہ دلا چکا ہے۔ جلسہ میری مزید کوششوں کے واسطے راہ ہموار کر دے گا۔ کچھ بھی ہو وہی یہ جانتے تھے کہ برطانوی عوام تک کیسے رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اور میں ان کے مشورے کو ماننے کے لئے آمادہ تھی۔

دو ہفتوں تک میں اپنے خطوط کے ذریعے ممکنہ کمیٹی کے ہر نام پر بمباری کرتی رہی لیکن شنوائی معمولی سی تھی۔ اکثر نے تو جواب تک نہ دیا۔ باقی ماندہ نے جان چھڑانے کے لئے جواز لکھے کہ وہ کیوں تعاون نہیں کر سکتے۔ مسٹر زانگول نے لکھا کہ اپنی گرتی ہوئی صحت کی وجہ سے وہ اپنی تمام عوامی مصروفیات سے دستکش ہو چکا ہے' اس کے علاوہ وہ نہیں سمجھتا کہ لیبر پارٹی کے نام والے لوگوں پر مشتمل کمیٹی میرے لئے ذرا سی بھی مفید ہو سکتی ہے۔ میں چاہوں تو سوسائٹی فار ڈیموکریٹک کنٹرول سے رابطہ کر لوں جس کی وہ اور برٹرینڈ رسل رکنیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور بات کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ اسے اس بات پر افسوس تھا کہ مجھے جو کچھ جاننے کے لئے روس جانا پڑا۔ وہ روز اول سے جانتا ہے کہ روسی آمریت استبدادی ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہیولاک ایلس نے ایک کریمانہ رقعہ بھیجا۔ اگرچہ میرے محرکات کے اخلاص کے متعلق اسے یقین ہے لیکن اسے یہ اندیشہ ہے کہ رجعت پسندوں کو اس سے بڑی راحت ملے گی۔ انہوں نے زار کی مطلق العنانی پر کبھی بھی احتجاج نہیں کیا تھا اور اس کے لِئے ان کی بوشویزم کی مخالفت نا قابل برداشت ہے جو محض ایک ''مخفی زاریت'' ہے۔ اس سب کے باوجود وہ کمیٹی کی کارگزاریوں کو پسند نہیں کرتا۔

قابل احترام مسز کوبڈن۔ سانڈرسن جو کروپوٹکن کی پرانی دوست تھیں اور جس نے زار کے عہد میں سیاسی کارکنوں پر ہونے والی اذیت رسانی کے خلاف اس سے تعاون کیا تھا' لیڈی واروک' برٹرینڈ رسل اور پروفیسر ہارلڈ لاسکی ان سب نے مجھے گفتگو کرنے کی غرض سے مدعو کیا۔

دو صاحبان نے اس پر صاد کر دیا کہ وہ کسی شرط کے بغیر ہماری کمیٹی میں شامل ہوں گے: ریبیکا ویسٹ اور کرنل جوزیا ویجوڈ۔ ایڈورڈ کارپینٹر نے یہ لکھ بھیجا کہ وہ بوجہ پیری شام کے اوقات میں باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ میری کوششوں کی حمایت کرنے پر تیار ہے جس کے متعلق اسے اعتماد ہے کہ وہ آزادی اور انصاف کے لِئے ہیں۔

ریبیکا ویسٹ تو مجھے پہلے ہی معقول مدد دے چکی تھی۔ اس کی قیام گاہ پر میں اس کے خواتین کے لِئے جریدے 'ٹائم اینڈ ٹائیڈ' کے رفقاء کار سے مل چکی تھی......جن میں لیڈی رہونڈا' مسز آرکڈیل اور ریبیکا خواہران تھیں' ڈاکٹر لیٹیشیا فیر فیلڈ اور ان کے علاوہ کئی دیگر بھی تھیں جو روس میں سیاست میں سرگرم عورتوں کے معاملات میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ میرے شناساوں کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ یوں ظہرانوں' چائے کی دعوتوں اور عشائیوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر ایک مہمان نوازی پر اتر ہوا تھا متوجہ اور پرتپاک تھا......سب ہی بچھے جاتے اگر میں انگلستان میں محض سماجی میل جول کے لِئے آئی ہوں۔ لیکن اگر میں کسی مقصد سے آئی تھی۔ اور میں نازک مزاج اہل برطانیہ کو بھرا دینا چاہتی ہوں کہ وہ روس کے برزخ میں کود پڑیں اور وہ بھرے میں آ کر اجتماعی طور پر اس ڈراونے میلے کے خلاف احتجاج کریں جسے سوشلزم اور انقلاب کہا جاتا ہے۔ بات یہ نہ تھی کہ میرے میزبان اور ان کے دوست احباب اس امر میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں جو حقائق میں بیان کر رہی تھی یا انہیں ان پر شک تھا۔ درحقیقت روسی حقائق سے ان کا بُعد مانع تھا۔ وہاں کے حالات سے ان کے کنکنے رویے کا سبب یہ تھا کہ ان کے ذہنوں میں اس کی واضح تصویر نہ تھی اس لِئے اس درد کو وہ محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

محنت کشوں کے رہنماؤں میں قساوت تھی۔ وہ ایک برطانوی ماہر سماجیات کے بقول ''حلقہ انتخاب کے لوگوں سے یہ کہہ دینے سے میری پارٹی پر عذاب ٹوٹ سکتا ہے کہ بالشویکوں نے انقلاب کو ذبح کر ڈالا۔'' مسٹر کلیفورڈ ایلن جو انڈیپنڈنٹ لیبر پارٹی کے سیکریٹری ہیں انہوں نے برسر عام کہا کہ ''ایما گولڈ مان ایک پرانے خیال کی عیسائی ہیں جو اب بھی سچ اور اس کے بیان کر دینے پر ایمان رکھتی ہیں۔'' روس سے تعلقات میں سب سے اہم چیز تجارت ہے' انہوں نے زور دے کر کہا۔ میں پیٹروگراد میں مسٹر ایلن سے ۱۹۲۰ء میں ملی تھی جب وہ برطانوی لیبر مشن کے ساتھ وہاں آئے تھے جن کے لِئے ساشا نے ماسکو میں مترجم کے فرائض انجام دیئے تھے۔ ہم ایلن کے خود مختارانہ اور مثالیت پسند شخصیت کے مداح تھے۔ یہ امر ہمارے لِئے صدمہ کا باعث بنا جب ہمیں معلوم ہوا کہ اپنی سرکاری حیثیت میں وہ کاروباری امور کو انسانی اقدار پر فوقیت دیتے ہیں۔ مجھے یہ تسلیم کر لینے میں کوئی عار نہیں ہے کہ میں ایک دکاندار نہیں ہوں لیکن مجھے یہ سمجھنے کی آزادی ہونا چاہئے کہ ان کی پارٹی ان ہی لوگوں میں شمار کی جانا چاہئے۔ اس کے باوجود میرے لِئے یہ بات نا قابل فہم تھی کہ ''روس سے تجارت'' اس میں کہاں سے گھس آئی اور چیکا کے جرائم پر الخاموشی نیم رضا والی کیفیت کیوں طاری ہے۔ انگلینڈ تو زار رومانوف سے بھی تجارت کرتا رہا ہے مگر آزادی کے متوالے اہل برطانیہ پھر بھی زار کے بھیانک کرتوتوں کے خلاف احتجاج کرتے رہے صرف لفظاً نہیں بلکہ عملاً۔ اب اس سے مختلف رویہ کیوں ہے؟ کیا برطانوی احساس عدل اور انسانیت اتنا دہشت زدہ ہو چکا ہے کہ سویت تہہ خانوں والے جیلوں میں مقید ہزاروں افراد کی مدد کے لِئے چیخ و پکار پر اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی؟ کیا مجھے بالشویکوں کے انداز حکمرانی کا زار کے طرز حکومت سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

موازنہ کرنا پڑے گا؟ سیاسی طور پر ان کا عہد حکمرانی بدتر ہے' میں نے اپنے سامعین کو بتایا ان کا جبر واستبداد کہیں زیادہ غیر ذمہ دار اور ڈریکونی ہیں۔ سویت حکومت تو بہر حال پرولتاری ہے اور اس کا حتمی مقصد سوشلزم ہے' مسٹر ایلن نے دوستانہ لہجے میں لقمہ دیا۔ وہ آمریت کے تمام ہتھکنڈوں کی حمایت نہیں کرتا تھا لیکن وہ خود اور نہ ہی اس کی پارٹی ہماری مہم میں شرکت کرنے کی متحمل ہو سکتی تھی۔ دیگر اور لوگ بھی اس کے ہم خیال تھے۔

میں متعدد لوگوں سے مل چکی تھی مگر جو کریمانہ دلچسپی لیڈی وارِوک نے ظاہر کی وہ چند ہی لوگوں میں مجھے ملی۔ مجھے اتنی رکاوٹیں اور مایوسیاں درپیش آ چکی تھیں کہ میں یہ آسرا لگا بیٹھی کہ اس کی روس میں دلچسپی اتنی گہری ہے کہ اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے کامریڈوں کو ہماری کمیٹی میں شریک ہونے کے لِئے آمادہ کر لے گی یا خود ایسا کرے گی۔ لیکن فوراً ہی بعد لیڈی وارِوک نے مجھے مطلع کر دیا کہ یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے گھر پر منعقد ہونے والی میٹنگ کو اس وقت تک کے لِئے موخر کر دیا جائے کیونکہ اس سے لیبر پارٹی کے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ اس وقت تک کے لِئے اٹھا رکھا جائے جب تک برطانوی تجارتی انجمنوں کا وفد روس سے نہیں لوٹتا۔ وہ اس بات سے اتنی خوفزدہ ہو گئی جیسے اس کی کسی بھی حرکت سے زار برسر اقتدار آ سکتا ہو۔ بظاہر اس پر یہی آسیب طاری رہا کیونکہ اس کے بعد اس نے پھر خبر نہ لی۔

جب میں پہلی مرتبہ پروفیسر ہیرلڈ لاسکی سے ملی تو اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مجھ پر لازم ہے کہ بالشویکوں نے جس طرح انارکزم کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا اس پر اظہار اطمینان کروں۔ میں نے اتفاق کر لیا' یہ بھی اضافہ کیا کہ نہ صرف اس عہد حکومت نے بلکہ ان کے سوتیلے بھائیوں نے بھی یعنی وہ سوشلسٹ جو دیگر ممالک میں برسر اقتدار ہیں انہوں نے بھی مارکسی ریاست کی ناکامی کو انارکسٹوں کے دلائل سے بڑھ کر ثابت کر دیا ہے۔ جیتا جاگتا ثبوت نظریے کے مقابلے میں کہیں بھاری ہوتا ہے۔ بات فطری ہے مجھے سوشلسٹوں کی ناکامی پر افسوس نہیں تھا مگر اس بنا پر میں روسی المیے پر بھی بغلیں نہیں بجا سکتی تھی۔ میں کم از کم یہ تو کر سکتی تھی کہ لیبر اور ریڈیکل عناصر کو جھنجھوڑوں! ابھی تک مجھے کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی۔ ربیکا ویسٹ اور کرنل ویجوڈ کو چھوڑ کر مجھے کوئی بھی ایسا نہ ملا تھا جسے روسی مصائب کی کوئی فکر ہو۔ امریکہ میں کسی اپیل کے جواب میں مجھے ایسے جواب سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ لاسکی کے خیال میں انتہائی ریڈیکل عناصر بھی بالشویکوں کی مخالفت میں مجھے ہچکچاتے نظر آئیں گے۔ ان پر انقلاب کا ایسا نشہ طاری ہے کہ ان کے لِئے تمیز خیر و شر ممکن نہیں ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ممکن ہے میں محنت کشوں کی صفوں میں دلچسپی پیدا کر لوں۔ وہ میری مدد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گا۔ وہ اپنے دوستوں کو آئندہ اتوار کی سہہ پہر میں مدعو کرے گا تا کہ میں انہیں اپنی کہانی سنا دوں۔ ایک مرتبہ پھر سے ان حالات میں امید کا چشمہ پھوٹ پڑا جو ایک مایوس کن اور فضول جستجو تھی۔

یہ میرے بس کے باہر تھا کہ میں روس کے متعلق غیر جذباتی انداز میں بولوں لیکن اس موقع پر میں یہ چاہتی تھی کہ کہ ذاتی احساسات کو دبائے رکھوں۔ میں نے بات چیت والا لہجہ اختیار کیا اور جہاں تک ممکن تھا معروضی انداز رکھا۔ جب میں نے گفتگو ختم کی تو میرے سائلوں نے یہ تقاضہ کیا کہ کیا میں واضح کر سکتی ہوں کہ ''کوئی اور سیاسی گروہ بالشویکوں سے زیادہ لبرل ہے جو جمہوری حکومت قائم کرنے کی زیادہ صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ اگر سویت طرز حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔'' میں نے جواب دیا میں یہ نہیں چاہتی کہ کمیونسٹ حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے اور نہ ہی میں کسی ایسے گروہ کی کوئی اعانت کروں گی جو تختہ الٹنے کی کارروائی میں حصہ لے گا۔ بنیادی تبدیلیاں سیاسی جماعتیں نہیں لا سکتیں بلکہ یہ کام عوام الناس کے بیدار ضمیر کا ہوتا ہے۔ یہ مارچ اور اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ہو چکا اور دوبارہ بھی ہو گا جس کا امکان مستقبل قریب میں نہیں ہے۔ آمریت نے تمام سماجی آدرشوں کی ساکھ ختم کر دی ہے اور خلقت سال ہا سال کی خانہ جنگی سے ادھ موئی ہو چکی ہے۔ اس میں بہت وقت لگے گا جب کہیں جا کر ان کے دلوں میں انقلابی شعلہ دوبارہ بھڑکے گا۔ میں روس میں حکمرانوں کی تبدیلی سے دلچسپی نہیں رکھتی مگر مجھے اس معاملے میں گہری دلچسپی ہے کہ کریملن کے مطلق العنانوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے سیاسی کارکنوں کی خبر گیری کی جائے۔ میں سمجھتی ہوں کہ امریکہ اور یورپ میں ریڈیکل حلقوں کا طاقتور اثر و نفوذ سویت حکومت کو اسی طرح متاثر کر سکتا ہے جیسے زار رومانوفوں پر اثر انداز

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہو چکا ہے۔ ممکن ہے اس طرح ان کا جور و ظلم گھٹ جائے اور محض اختلافی خیالات رکھنے پر ایذا رسانی ختم ہو جائے' بلا مقدمہ چلائے قید و بند اور چیکا کی کوٹھریوں میں تھوک کے بھاؤ سزائے موت کا سلسلہ رک جائے۔ کیا یہ سادہ سی انسانی مطالبات کے لئے کوشش نہیں کی جا سکتی؟'' ہاں' لیکن اس سے یہ بھی ممکن ہے کہ مطلق العنانی لوٹ آئے۔''

وہی اعتراض ویسے ہی اعتراضات وہی کم ہمتی کی باتیں۔ میں جس حلقے سے خطاب کرتی سب میں یہی بات مشترک پاتی۔ یہ بڑی بھیانک صورتحال تھی۔ آخر کار مجھے اپنی مساعی کی ناکامی کا احساس ہو گیا۔ میں نے اس لئے فیصلہ کیا کہ میں بالائی طبقے پر مزید اپنا وقت نہ ضائع کروں گی نہ لیبر سیاستدانوں اور ان بیگمات پر جو سوشلزم کے جوہڑ میں چھپ چھپ کر رہی تھیں۔ انارکسٹوں نے اپنا کام ہمیشہ ان نام نہاد اشرافیہ کی مدد کے بغیر چلایا ہے اور اب بھی انہیں یہی کرنا ہو گا۔ یہ کہیں بہتر ہو گا کہ ہمارے پرچم تلے کم حاضرین والی بیٹھکیں ہوں اور جس کے لئے کسی سے ممنون ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہاں تک کہ بلغ ژوازدنیا کی بھی نہیں۔ ہمارے چھوٹے سے حلقے کے درجن بھر ارکان اس پر متفق ہو گئے کہ میرے مشوروں کے مطابق کارروائیاں شروع کر دی جائیں۔ اور انہوں نے ساؤتھ پلیس انسٹیٹیوٹ کو اپنے جلسے کیلئے حاصل کر لیا۔ انہوں ہی نے مجھے بتایا کہ بہت سی جراتمند صدائیں یہاں کے چبوترے سے آزادی اور انصاف کی آوازیں بلند کر چکی ہیں۔ مجھے بھی یاد آ گیا کہ میں ۱۹۰۰ء میں بزمانہ بویر جنگ وہاں خطاب کر چکی ہوں جس کا چیئر مین ٹوم مان تھا۔ مان نیو چرچ کی دل و جان بنا ہوا تھا اور مجھے دونوں جانب سے مردود قرار دیا جا رہا تھا یعنی سرمایہ داری اور اشتراکیت کی طرف سے۔

پروفیسر لاسکی نے مجھے اطلاع بھجوائی کے اس کے دوستوں کا یہ کہنا ہے کہ آئی۔ ایل۔ پی کو سویت روس پر حملہ کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ اس نے یہ بھی اضافہ کیا کہ برٹرینڈ رسل اگرچہ سویت ہتھکنڈوں کو ناپسند کرتا ہے اسے بھی میرے اس مسئلے پر چرچا کرنے کی موزونیت پر شک ہے۔ دوسرے بھی اس امر کے قائل تھے کہ مجھے بالشویکوں پر حملہ کرنے میں زیادہ دلچسپی ہے بجائے سیاسی کارکنوں کی تکالیف رفع کرنے کے۔ وہ لوگ بھی روس کی کھلم کھلا مخالفت کی حمایت نہیں کر سکتے۔ کچھ کا یہ خیال تھا کہ ٹریڈ یونین وفد کی طرف سے کارروائی کا آغاز ہونا چاہئے نہ کہ غیر برطانوی حلقوں کی طرف سے۔ پروفیسر لاسکی نے یہ کہہ کے بات ختم کی کہ لیبر رہنما ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جو انہیں سویت سے کسی تنازع میں الجھا دے۔ بات اس نقطے پر آ کر رکی کہ وہ بھی برٹرینڈ رسل کا ہم خیال تھا کہ سیاسی کارکنوں کے حق میں کسی مہم کو کسی بالشویک مخالف بینر تلے نہیں شروع ہونا چاہئے'' جیسی کہ تمہاری ہے۔''

برٹرینڈ رسل کا موقف میری مایوسی کا باعث تھا۔ میں اس سے مل کر طویل گفت و شنید کر چکی تھی۔ اگرچہ اس نے مجوزہ کمیٹی میں شامل ہو کر کام کرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا اور کہا کہ وہ معاملے پر مزید غور کرنا چاہتا ہے لیکن اس نے اس بات کا بھی اشارہ نہ دیا تھا کہ وہ کسی علی الاعلان انارکسٹ کے ساتھ مل کر کام نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بڑی مایوس کن صورتحال تھی کہ مملکت کا ایک ممتاز نقاد، ایسا شخص جو فکری طور پر انارکسٹ میلانات رکھتا ہو ایک انارکسٹ کے ساتھ لڑائی میں شریک ہونے سے شرمائے اور لاسکی بھی جو انفرادیت کے نظریے کا اتنا صاف گو نقیب ہے!

ٹریڈ یونین کا وفد روس سے عجوبے دیکھ کر وہاں سے آتش بجاں لوٹا..... یہ کہئے کہ جو انہیں دکھایا گیا! وہ آگ کھا کر 'ڈیلی ہیرالڈ' میں انگارے ہگنے لگے اور جلسوں میں سویت کامرانیوں کے گیت گانے لگے۔ انہوں نے تو روس میں پورے چھ ہفتے بسر کئے تھے، کوئی اور اتنی گہری واقفیت اور اتنے مستند انداز میں کچھ کہہ سکتا ہے؟

اگر میں اہل برطانیہ کو بیدار کرنے میں ناکام رہی پھر بھی میں چند امریکیوں کو جو انگلینڈ میں مقیم تھے انہیں قائل کرنے میں کامیاب ہو گئی جن میں زیادہ تر رہوڈز کے عالم تھے جنہوں نے مجھے خطاب کرنے کی دعوت دی تھی۔ میرا آکسفورڈ کا پھیرا ایک سنگ میل بن گیا جس کی وجہ وہ شاندار جلسہ نہ تھا جو وہاں کے لڑکوں نے'' کالج کے ٹولے'' کی مخالفت کے باوجود منظم کیا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ایس۔ ای۔ موریسن کی مہمان نوازی اور فیاضانہ مدد بھی شامل حال تھی جو امریکی تاریخ کے شعبے کا پروفیسر تھا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اور جو میرے جانثار دوستوں کے حلقے میں شامل ہوگیا۔ چار ماہ کی تگ ودو کے بعد میں نے کم ازکم یہ کامیابی ضرور حاصل کرلی۔ حقیقی دلچسپی اور مدد دینے کی مخلصانہ خواہشات جو مجھے ایسے نئے دوستوں ڈیوڈ سویکالیس جو معروف انقلابی اور ایک زمانے میں 'فری رشیا' کا مدیر بھی رہ چکا تھا اور مسز سویکالیس جو مصنفہ اور فورڈ میڈوکس فورڈ کی بہن تھی اور ان کے دو ہونہار بچے نہایت اطمینان بخش اجر تھا۔

میرے خیر اندیش اور سرگرم کامریڈوں کے طفیل جن میں ڈورک زھوک، ولیم ویلس، اے۔ سگ، ٹوم کیل اور ولیم۔سی۔اوون شامل تھے۔ ہمارا ساؤتھ پلیس انسٹیٹیوٹ والا جلسہ پرہجوم تھا یہ اس کے باوجود ہوا کہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور داخلے کی فیس بھی وصول کی گئی۔ ہمارے چیئرمین کرنل جوزیا ویجوڈ کی موقع شناسی، میرے امریکی طلباء دوستوں اور چند ''واقعی'' پرولتاریوں کا نظم ونسق اور چبوترے پر میری عمودی حاضر دماغی نے حالات کو بگڑنے سے بچائے رکھا۔

ہمارے پاس اپنی کامیابی پر شادمانی کی وجوہ تھیں۔ بغیر کسی حمایت کے جس میں اخلاقی اور مالیاتی دونوں شامل ہیں، ہم نے اپنے جلسے کے اخراجات پورے کرنے کے علاوہ سیاسی اسیروں کے لِئے برلن فنڈ میں باقی رقم روانہ کردی۔ ٹوم سوٹیلو ہمارا خازن تھا اور اے۔ سگ سیکریٹری۔ یوں ایک کمیٹی معرض وجود میں آگئی جو سرگرمیوں کے واسطے ایک مستقل ادارہ بن گئی۔ یہ بہ لحاظ تعداد اگرچہ مختصر تھی اس کے عزائم بڑے تھے، روس کے موضوع پر تقاریر کا سلسلہ، روس میں اسیر انقلابیوں کے دفاع کے لِئے جوائنٹ کمیٹی کے خبرنامے کی اشاعت اور تقسیم جو انگریزی زبان میں ساشا کی ادارت میں برلن سے شائع ہو رہا تھا اور رقم کی فراہمی سیاسی اسیروں پر ہونے والی اذیت رسانی پر مذکورہ خبرنامے میں بالکل درست روداد درج ہوتیں اس کے علاوہ بے دخل کِئے جانے والے اور مقید افراد کے خطوط شائع کِئے جاتے جو ساشا اور جوائنٹ کمیٹی کے دیگر ارکان کو روس سے خفیہ ذرائع سے موصول ہوتے۔

ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ میں چکی کے دو پاٹوں میں پس رہی تھی مجھے اس کی قطعاً کوئی امید نہ تھی کہ انڈیپنڈنٹ لیبر پارٹی میں میری شنوائی ہوسکتی ہے یا تجارتی انجمنوں میں۔ نہ ہی ٹوریوں کے جھنڈے تلے مجھے بولنے کا موقع ملے گا۔ آخرالذکر سے مجھے بار ہا روس کے موضوع پر بولنے کے لِئے مدعو کیا جاچکا تھا مگر مجھے اس بناء پر ان کو رد کرنا پڑا کیونکہ یہ نرے قدامت پسندوں کے کلب تھے۔ ایک اور دعوت ویمنز گلڈ آف دی ایمپائر کی جانب سے ملی جو پینر لے میں قائم تھا۔ میں نے اس کے سیاسی میلان کے متعلق دریافت کیا اور مجھے بتایا گیا کہ یہ ''خدا، بادشاہ اور ملک'' پر فدا ہے۔ جس پر میں نے گلڈ کو لکھا کہ بطور انارکسٹ میں ان تمام سماجی انتظامات پر لعنت بھیجتی ہوں جو کسی فرد کو شاہی تخت پر بٹھاتے ہیں جس سے دوسرے مفلسی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ میں سامعین میں کسی تمیز کی قائل نہیں ہوں چاہے ان کے سماجی، سیاسی اور مذہبی عقائد کچھ بھی ہوں۔ ریاست ہائے متحدہ میں، میں مختلف الخیال اجتماعات سے خطاب کرچکی ہوں...... جن میں گودی مزدور سے لے کر لکھ پتی، غریب محنت کشوں سے لے کر اعلیٰ ہنرمند خواتین، ایسے کمرے جو میخانوں کے عقبی نیم تاریک کمروں پر مشتمل تھے، سطح زمین سے سینکڑوں فٹ گہری کانوں میں، منبر پر سے اور لکڑی کے خالی ڈبوں پر سے بھی۔ میں اپنے پلیٹ فارم پر روس کے موضوع کے بخیے ادھیڑ دوں گی اور اس کی پرواہ نہ کروں گی کہ سننے کے لِئے کون آیا ہے۔ دیگر موضوعات پر میں دارالامراء میں بھی بولنے کو تیار ہوں، ونڈسر محل میں یا پھر قدامت پسند پارٹی کے سامنے بھی مگر روس کے متعلق کبھی نہیں۔

مجھے اس سلسلے میں شک تھا کہ ہماری کمیٹی اپنی مساعی سے عام لوگوں تک اپنی آواز پہنچانے میں کامیاب ہوسکے گی۔ ارکان ہول نہیں رہے تھے۔ وہ انگریزی زبان میں لیکچروں کا تجربہ کر رہے تھے اور 'دی آربیٹر فراوینڈ' گروہ نے رضاکارانہ پیشکش کی کہ وہ ایسٹ اینڈ کے علاقے میں ایدیش گو لوگوں کا جلسہ ترتیب دے سکتے ہیں جس سے ہمت پاکر میں نے لندن کا ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک والا ہفتہ روزہ دورے کا آغاز کردیا، بارش ہو برف وباراں، دھند ہو یا سردی یہ تین ماہ تک جاری رہا۔ امریکہ میں میری ابتدائی جدوجہد کے زمانے میں بھی مجھے ایسی دشواریوں سے واسطہ نہ پڑا تھا جتنا مجھے ان نئے امکانات کے جھمیلے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں درپیش آرہی تھیں۔ نتائج مساعی سے فروتر تھے جبکہ کمیٹی والوں کے نزدیک معاملات حوصلہ افزا تھے۔ اخراجات پورے ہوجاتے اور کچھ رقم کا سیاسی اسیروں کے فنڈ میں اضافہ بھی ہوا اور کمیونسٹ حکومت کے تحت ہونے والی زبوں حالی سینکڑوں لوگوں کے علم میں آ گئی۔

میرا شمالی انگلستان اور جنوبی ویلز کا دورہ ایسا نہ تھا کہ اس پر فخر کیا جاسکتا۔ اہل ویلش فہمیدہ تھے اور انہیں بہ آسانی بیدار کیا جاسکتا تھا مگر ہمیشہ قابل اعتبار نہ نکلتے یہ بات مجھے جان ٹرنر نے بتائی تھی۔ انگلستانی برفانی تودے کو پگھلانے کی کوششوں کے بعد مجھے ویلش مجمع اور ان کا جوش وخروش خوشگوار لگا۔ کارکنوں کی لاتعلقی ہی کوئی دشواری نہ تھی بلکہ ان کی غربت بھی روح فرسا تھی۔ ان میں بہت سے طویل عرصے سے بے روزگار تھے اور ان میں سے جو خوش نصیبی سے برسرروزگار تھے ان کی اجرت نہایت حقیر ہوتی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ جو لوگ اتنے ستم رسیدہ ہوں وہ جلسوں میں کیسے آجاتے تھے۔ یہ بات خلاف معمول تھی کہ ان میں ہمدردی اتنی فراواں تھی کہ وہ دور دراز کے روسی بھائیوں کے مصائب کے متعلق سن کر چلے آتے۔ مدقوق چہرے، خون پسینہ ایک کرنے سے پچکے گال اپنی بدحالی کی جانب دردناک انداز میں اشارہ کرتے۔ دیگر تمام مبلغین کی طرح میں بھی ''گھر کو چھوڑ کے ''مسجد'' میں چراغ جلانے کی اپیل کرتی۔'' کاش میں ان کی زندگیوں میں جھانک سکتی ان کی کشمکش میں شریک ہو پاتی اور انہیں سمجھا سکتی کہ صرف انارکزم ہی ایسی کلید ہے جو سماج کو بدل کر ان کے مفادات کا ضامن ہوگا، تو میری التجائیں شائید جائز ہوتیں۔

لندن میں اپنے پہلے لیکچر ہی سے میں انگلینڈ کی خوفناک اقتصادی بدحالی پر اپنی جبری خاموشی پر جھلاہٹ کا شکار تھی۔ برطانیہ عظمیٰ میں جاری سماجی ناانصافیاں کسی صورت میں روس میں اسی نوعیت کی خرابیوں کو جائز نہیں بنا سکتی تھی۔ مجھے یہ بھی مناسب نہیں لگتا تھا کہ میں آمریت کی مذمت کروں اور سامنے کی صورتحال سے چشم پوشی۔ یہ احساس روز بروز بڑھتا جارہا تھا اور میری داخلی کشمکش میں اضافہ کررہا تھا۔ میں اب سویت مخالف سرگرمیوں کو مزید جاری نہیں رکھ سکتی تھی اگر اس میں اپنے سامنے کے عمومی سماجی مسئلے پر ذاتی موقف کو نہیں بیان کرتی۔ انگلینڈ میں مجھے یہ سہولت میسر نہ تھی اور بلاشبہ دوسرے ممالک میں بھی کہاں تھی۔ مجھے اب بالشویک مملکت پر اپنا بحث ومباحثہ ختم کردینا چاہئے۔ میں اس حقیقت کی طرف بھی اپنی آنکھیں نہیں بند رکھ سکتی تھی کہ میری ملک بدری کا تعلق روس کے متعلق میرے رویے سے تھا.....ایک مشکوک اور بے چین رکھنے والی میزبانی کو میں کیسے غیر معینہ مدت تک قبول کئے رہتی۔ میرے کامریڈوں کا اصرار تھا کہ میں کام کے لئے ٹھہری رہوں۔ میرے پاس ایسا کوئی جواز نہ تھا کہ روس میں مقید انقلابیوں کے لئے اپیل کیوں نہ کروں، محض اس لئے کہ میں انگلینڈ میں سماجی جدوجہد میں حصہ نہیں لے سکتی، میں نے یہ دلائل پیش کئے۔ میں پہلی انارکسٹ تھی جو سویت دیس سے آئی تھی جو برطانیہ عظمیٰ کو انقلاب اور بالشویکوں کے مابین رشتوں کے متعلق بتا سکتی تھی۔ اس نوعیت کے اہم علم کی ہر جگہ ضرورت تھی مگر انگلینڈ سے زیادہ کہیں اور نہ تھی جہاں بہت سے لیبر رہنما ماسکو کے سفارتکار بنے ہوئے تھے۔ یہ بات خاص طور سے جنوبی ویلز پر صادق آتی تھی جہاں کانکنوں کی فیڈریشن کے متعدد اہلکار کمیونسٹ مملکت کے معجزے سے جفتی کھا رہے تھے۔ میرے کامریڈوں کا سادہ اعتماد اور میری ذات پر یقین سے دل بھر آتا۔ پیدائش سے لے کر آج تک پرولتاری رہنے والے جن کی زندگیاں حسن ومسرت سے محروم ہونے کے باوجود اپنے نصب العین سے محض اس امید میں چمٹے ہوئے تھے کہ ایک آزاد اور نئی دنیا آنے والی ہے۔ ان میں مثالی ذات جیمز کونلن کی تھی جو پینسٹھ برس کے سن میں اپنی نان شبینہ کے لئے کانکنی کی غلامی کرنے پر مجبور تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا معتدبہ حصہ ہماری صفوں میں رہ کر سرگرمی سے خدمات انجام دے کر گزارا تھا۔ اور اس نے بڑے فخر سے مجھے بتایا کہ میری ہی طرح وہ بھی شکاگو کے شہیدوں کے عدالتی قتل کی وجہ سے انارکسٹ بنا تھا۔ اسے تعلیم حاصل کرنے کا کبھی موقع نہ ملا، اس نے زیادہ تر لیاقت اور واضح فہم وفراست سماجی مسائل کو سمجھ کر حاصل کی تھی۔ اس نے اپنی فطری صلاحیتوں کا مصرف اپنے نصب العین کے لئے تقاریر کرکے نکالا اور انارکزم کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی حقیر آمدنی میں سے خرچ کیا۔ اس کے حلقے کے دیگر کم عمر کامریڈ جنہیں اپنے کنبوں کی کفالت کرنا پڑ رہی تھی وہ ''جمی'' کے جوش وجذبے کے سامنے پگھلے جارہے تھے کیونکہ اپنے آدرش کے لئے اس کی وابستگی اور فدائی جذبہ سب کے لئے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ولولہ خیز تھا۔

روس کے متعلق ٹریڈ یونین کی رپورٹ جس پر تمام مندوبین نے دستخط ثبت کیئے تھے معہ جون ٹرنر کے ایک ایسی دستاویز تھی جس میں سویت عہد کی لیپاپوتی کی گئی تھی۔ اس میں جن شعبوں کا احاطہ کیا گیا تھا انہیں سمجھنے کے لِئے کئی برس کی چھان بین درکار تھی جس میں طول وعرض کا سفر اور اس ملک میں طویل قیام۔ لیبر کا وفد روس میں محض چھ ہفتے رہا تھا جس میں سے ایک ہفتہ تو ٹرین کے سفر میں گزر گیا جیسا کہ مجھے جون نے بتایا۔ بات عیاں تھی کہ رپورٹ میں مندوبین کی ذاتی معلومات راہ نہیں پا سکیں اور نہ ہی مصنفین کے مشاہدات۔ فی الواقع یہ ان دستاویز کو یکجا کر کے تیار کی گئی تھی جنہیں ارباب اختیار نے ان کے لِئے بطور خاص تیار کیا تھا۔ چونکہ مندوبین میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو روس جانے سے پہلے ہی روس نواز تھے، اس لِئے یہ امر فطری تھا کہ وہ بالشویک چارہ سالم نگل لیں۔ ان کے مترجمین میں سے ایک زار کے عہد سے برطانوی سفارت خانے میں بحریہ کا اتاشی چلا آ رہا تھا۔ دوسرا جو عرصہ دراز سے سفارتکاری کی خدمات انجام دے رہا تھا دونوں ہی ایسے سرکاری اعداد وشمار جمع کرنے والے پرانے چاول تھے جس کا نتیجہ خوشگوار نکلے۔ انہوں نے پہلے بھی اپنی حکومت کے مفاد میں قدیم مطلق العنانی کی جانب عمداً آنکھیں بند رکھی تھیں اور آج آئی۔ ایل۔ پی سے اپنی وابستگی کی وجہ سے انہیں ایک مرتبہ پھر چشم پوشی کرنا پڑ رہی تھی۔ یہ تو ان کا پیشہ ہے اس لِئے میرا ان سے کوئی تنازع نہیں ہے۔ مگر مجھے اس بات سے صدمہ ہوا جب میں نے رپورٹ پر جون ٹرنر کے دستخط پائے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کا ایک مقالہ ''فورن افیئرز'' میں ایک انٹرویو نیویارک فارورڈ کے نمائندے کو اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے جلسے میں اس کی تقریر سب کی سب رپورٹ کی مناجات کی صریحاً ضد تھیں۔ میں نے اسے بڑی بے تکلفی والا خط لکھا کہ اس نے مجھے اور دیگر کامریڈوں کو کتنا مایوس کیا ہے۔ اس نے قریب قریب انہی اصطلاحوں میں جواب دیا جن میں ۱۹۲۰ء میں لانسبری نے ساشا کو جواب دیا تھا۔ وہ مجھے یہ دکھا سکتا ہے کہ ''لندن میں غریبوں اور لاوارثوں اور بھک مروں کی کتنی بڑی تعداد موجود ہے۔'' یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اہل برطانیہ کے مصائب اور روسی محنت کشوں سے متعلق رپورٹ کے بیان میں کون سا رشتہ موجود ہے جو سیاسی طور پر غلام ہونے کے باوجود اقتصادی طور پر آزاد اور مطمئن لگتے ہیں۔ ٹرنر اور اس کے رفیق مندوبین جانتے ہیں کہ یہ بات روسی عوام الناس کے معاملے میں درست نہیں ہے بہ نسبت برطانوی کارکنوں کے۔

اس لِئے یہ ضروری تھا کہ اس فریب کا پردہ چاک کیا جائے۔ میں نے اپنی کمیٹی کے سامنے ایک تجویز رکھی جس نے مجھے ڈورس زھوک سے مل کر ایک رپورٹ تیار کرنے کی ہدایت دی۔ ہم نے جو کتابچہ شائع کیا اس میں ہم نے رپورٹ کے بیانات کا روسی اخبارات کی ان رپورٹوں سے موازنہ کیا جو برطانوی مندوبین کے دورے کے دوران میں شائع ہوئی تھیں۔ ان میں اس نوعیت کا کسی بھی قسم کا تبصرہ نہیں چھپا تھا اور ہم اس کے لِئے بھی تیار تھے کہ رپورٹ میں اشاعت شدہ بے سروپا دعوؤں کی بالشویکی خود تردید کریں۔ کمیونسٹوں نے فی الفور ہم پر الزام دھر دیا کہ ہم نے جو مواد پیش کیا تھا وہ جعلی ازوستیا (خبریں) اور پراودا (سچ) کا ہے جسے انقلاب دشمن مبینہ طور پر روس کے باہر سے شائع کر رہے ہیں۔ بات تو اتنی احمقانہ اور فضول تھی مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ کرنل جوزیا ویجوڈ جیسا باغی محاذ بدلنے پر اتر آئے۔ اس نے مجھے لکھا کہ وہ ہمارے پمفلٹ کی کوئی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا اور درخواست کی کہ اس کا نام کمیٹی میں سے خارج کر دیا جائے اور بہت سے دیگر لوگوں کی طرح جن میں ہمارے کامریڈ جون ٹرنر کا بھی نام شامل ہے سب نابدان میں گر پڑے اور ان میں اپنی بات پر قائم رہنے کی اتنی کمی تھی کہ کمیونسٹ حمایتیوں کی مخالفت کی تاب نہ لا سکے۔

ان صفوں میں واحد استثنیٰ ریبیکا ویسٹ کی شخصیت نکلی جس نے اپنے تعلقات کو ذاتی میلانات پر غالب آنے کی اجازت دی نہ ہی اپنی آزادی عمل کو گھٹنے دیا۔ اگرچہ اس کی نجی مصروفیات بہت تھیں اس کے باوجود اس نے وقت نکال کر اپنے دوستوں کو ہماری مساعی میں دلچسپی لینے کو کہا اور میرا ایک ادبی امور کے کاروباری شخص سے بھی رابطہ کرا دیا جو میری کتاب ''ڈس الوز نمینٹ ان رشیا'' کو کسی برطانوی ناشر سے طباعت کرا سکتا تھا۔ اس پر پیش لفظ لکھوانے کا انتظام کر سکتا تھا اور میرے ایک لیکچر کی تقریب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی صدارت کر سکتا تھا۔ مگر ریبیکا ویسٹ تو ایک فنکارہ ہے کوئی سیاستداں نہیں۔

مسٹر سی۔ ڈبلیو۔ ڈینیل بھی ایک آزاد پنچھی نکلا، ایک طابع جس کے نزدیک کاروبار زندگی کی تمام سرگرمیوں پر محیط نہ تھا۔ وہ نظریات اور ان تصنیفات کے معیار کی زیادہ فکر کرتا جنہیں وہ شائع کرنے والا ہو بجائے اس رقم کے جو ان سے ملنے والی ہو۔ کیا وہ بھی پرانے خیال کا ایک مسیحی تھا جو منافع پر سچ کو ترجیح دیتا ہے؟ میں پوچھ بیٹھی اور یہ اضافہ بھی کر دیا کہ مجھ پر یہی الزام عائد کیا جاتا رہتا ہے۔ میں نے اعتراف کیا کہ یہ میری سادہ لوحی ہے کہ میں (ILP) سے کسی اور سیاسی پارٹی کے مقابلے میں اتنی آس لگائے بیٹھی ہوں۔ حالانکہ مجھے ہمیشہ سے یہ معلوم ہے کہ درندوں کی طرح ان کی فطرت نہیں بدل سکتی چاہے وہ اپنی کھال کا رنگ جتنا چاہیں بدل لیں۔ حیف، کوئی کتنا ہی عمر رسیدہ ہو جائے مگر اسے عقل نہیں آتی ورنہ مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جب میں یہ دیکھتی ہوں کہ ریڈیکل تک ہزاروں انسانی زندگیوں اور موت کو تجارتی پیمانوں پر پرکھتے ہیں۔ شناسائی بڑھنے پر مسٹر ڈینیل سوجھ بوجھ میں میری طرح ناسمجھ نکلے بلکہ قدرے کم۔ انہوں نے میری ''مائی ڈس الوزنمنٹ ان رشیا'' کا برطانوی نسخہ چھاپنے کی ذمہ داری قبول کر لی یہ نکتہ بخوبی سمجھتے ہوئے کہ اس سے آئندہ نسلیں بھی فیضیاب ہوں گی مگر انہیں اس سے کوئی منافع شائد ہی ہو۔ میری کتاب کا پہلے ہی مکمل سویڈش نسخہ چھپ چکا تھا لیکن اس سے مجھ پر کیا گزری جب میں نے اپنی کتاب کی یہ درگت بنتے دیکھی کہ اس کو کس سفا کانہ اور پھوہڑ پن سے امریکہ میں شائع کیا گیا اور پھر ایک جلد میں انگلستان میں چھاپا گیا جس کا پیش لفظ ریبیکا ویسٹ نے لکھا۔

'مائی ڈس الیوزنمنٹ' دی نیویارک ورلڈ میں شائع ہونے والے مقالے 'لندن فریڈم' میں دوبارہ چھپا، میں نے 'ویسٹ منسٹر گزٹ' اور 'ویکلی نیوز' میں بھی لکھا ان کے علاوہ جو کچھ میں نے 'لندن ٹائمز' میں لکھا تھا وہ صوبوں کے شماروں میں مزید چھپا۔ وہ مضمون جو 'دی ڈیلی نیوز' میں شائع ہوا اور آخر میں ہمارا کتابچہ چھپا جس میں ٹریڈ یونین وفد کے افسانے کی تردید چھاپی گئی جس میں معلومات کا خزانہ موجود تھا جس تک دل کے اندھوں کو چھوڑ کر سب کو رسائی حاصل تھی۔

ساشا بھی فارغ نہیں بیٹھا تھا۔ اس کی تصنیف 'بالشویک متھ' (Bolshevik Myth) چھپ کر آ چکی تھی جس کا ناشر نیویارک کا بونی اینڈ لایورایٹ تھا۔ مگر آخر الذکر نے اختتامی اور نہایت اہم ابواب کو ''اوج دشمن'' قرار دے کر حذف کر ڈالا تھا۔ جس پر ساشا نے اسے ایک کتابچے کی صورت میں اسی عنوان سے شائع کیا اور اپنے اخراجات پر تقسیم کرا دیا۔ کتاب کے پورے پورے تاؤ انگلستان میں درآمد کر لیئے گئے اور جلدیں تیار کر کے مصنف کے علم اور اجازت کے بغیر ہمت شکن قیمت پر فروخت کیا گیا جس سے اسے حق تصنیف کا دھیلا بھر معاوضہ نہ دیا گیا۔ اس پر شاندار تبصرے شائع ہوئے۔ نقادوں کا اس پر اتفاق تھا کہ ''بالشویک متھ'' مدلل اور دل پر اثر کرنے والا ادبی کام ہے۔ اور باتوں کے علاوہ ساشا نے سویت آمریت میں سیاسی کارکنوں پر ہونے والی اذیت رسانی سے متعلق اعداد و شمار اور دستاویزات کا خزانہ یکجا کر دیا تھا۔ اس نے متعدد سیاسی کارکنوں کی دکھ بھری داستانیں اور حلفیہ بیانات حاصل کیئے جو روس سے فرار ہو کر آئے تھے یا انہیں بے دخل کیا گیا تھا۔ اس میں اسی سے ملتا جلتا مواد شامل کر لیا جو ہنری۔ جی السبرگ، اساک ڈون لیوائن سے ملا جس سے بالشویکی دہشت گردی پر فرد جرم تیار ہو گئی جو اپنے اثر میں ہوش اڑانے والی تھی۔ اس کے برتے پر السبرگ اور لیوائن کی ماسکو کی مطلق العنانی کے خلاف عالمگیر شہرت کے مالک مردوں اور خواتین کی طرف سے خطوط موصول ہوتے اور تمام مواد انٹرنیشنل کمیٹی برائے سیاسی اسیران نیویارک سے شائع کیا گیا اور اس تالیف کا نام ''لیٹرز فرام رشین پرزنرز'' تھا۔

ہم روس میں اپنے ستم رسیدہ کامریڈوں سے کیئے ہوئے عہد پر قائم تھے۔ ہم نے ان کے نصب العین کی خوب تشہیر کی اس کے علاوہ دیگر اذیتیں برداشت کرنے والے انقلابیوں کی بھی۔ ہم نے ''اکتوبر'' اور بالشویکوں کے درمیان موجود پاتال کو عیاں کر دیا۔ ہم یہی کیئے جائیں گے، ساشا سیاسی اسیروں کی حفاظت کی کمیٹی کے رسالے 'بلیٹن' کے ذریعے اور مجھے جب بھی اور جہاں بھی موقع ملے گا۔ اب موقع آ گیا تھا کہ میں دیگر امور پر توجہ دوں۔ روسی معاملات میں آٹھ ماہ تک منہمک رہنے کے بعد

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مجھے یہ بات جائز معلوم ہوئی کہ اظہار خیال کے لئے دیگر موضوعات اختیار کئے جائیں۔ یہ اس وجہ سے بھی لازم ہو چکا تھا کہ میں کب تک اپنے خاندان اور امریکی دوستوں سے مدد لیتی رہتی۔ میرا کیسے گزارہ ہوتا اگر ایسے عزیز اور جانثار دوست مثلاً اسٹیورٹ کیر کوئی مہینہ نہ جانے دیتے جس میں ان کا کوئی تحفہ نہ آیا ہو۔ اب میری لئے اپنی کفالت کرنا ممکن لگ رہا تھا کہ میں ڈرامے کے موضوع پر اپنے لیکچروں سے کماؤں۔ میں نے اس لئے فیصلہ کیا کہ فی الحال میں روس پر اپنے کام کو روک دوں۔

انگلینڈ آنے کے کچھ ہی دنوں کے اندر فٹزی نے 'پراونس ہاؤس' پلے ہاؤس کے لئے مجھے اپنا نمائندہ مقرر کر دیا جس پر وہ کئی سال کی محنت اور دبستگی لگا چکی تھی۔ میرے پروانہ راہداری سے مجھے یہ سہولت مل گئی کہ میں چند تھیٹروں میں بلا روک ٹوک کے آجا سکتی تھی۔ اس کے باوجود جو میں دیکھ رہی تھی اس سے میری مزید جانے کی ہوس نہ فرو ہوتی کہ لندن کے اسٹیج پر کیا ہو رہا ہے۔ برطانوی دوست برمنگھم کے 'ریپرٹری تھیٹر' کے مدح وثنا کرتے جو فنی تقاضے پورا کرنے والا چوٹی کا حلقہ تھا۔ اس کا آغاز تو شوقیہ لوگوں نے کیا تھا اور جیسا کہ انہوں نے بتایا کہ اس کی ابتدا اور تابناک عروج میں اس کے بانی بیری۔ وی۔ جیکسن کی فیاضی اور مہارت کا ہاتھ تھا۔ برطانوی اہل دانش کی مہمان نوازی سے متعلق میرے تجربات نے مجھے قدرے تشکیک میں ڈال دیا تھا۔ میرے لئے خود جانچنے کا موقع اس وقت آیا جب برمنگھم ریپرٹری کمپنی نے لندن میں شاء کا لکھا ''قیصر اور کلوپیٹرا'' کا افتتاح کیا۔ اور میں نے بلا تاخیر فٹزی کی اسناد کی مدد سے خود کو بطور سفیر 'برائے یورپ' پیش کر دیا۔ برطانوی عروس البلاد کے کسی تھیٹر میں میرا اس گرمجوشی سے استقبال نہیں ہوا تھا۔ تماشہ کیا تھا گویا مجھ پر الہام ہو رہا تھا۔ اشیاء کی سجاوٹ، ماحول، اداکاری میں جزو اور کل کی ایسی رنگ آمیزی میں نے رسٹانس لاوسکی اسٹوڈیو کے زمانے کے بعد آج دیکھی تھی بلکہ وہاں کے نظاروں کا بھی اس جنت نگاہ سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سیڈرک ہارڈوکس کا قیصر، فاربس رابرٹسن کو پیچھے چھوڑ چکا تھا جو میں نے نیویارک میں دیکھا تھا۔ اس کی مساعی اس حد تک مشکور ہوئیں کہ اس نے قدیم رومن کو انسانیت کی راہ پر ڈال دیا اور ایسا سامان کیا جس میں خود پر بھی ہنسا جا سکے۔ مس گوین فراگ کون ڈاویس بطور قلوپطرہ لاجواب شخصیت کے روپ میں جلوہ گر تھی۔ انگلینڈ میں اپنے آٹھ مہینے کے قیام میں مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا جیسے مجھ پر طاری اداسی کا پردہ سرک گیا ہو جو میری روح پر طاری تھا۔

بیری جیکسن، والٹر پی کوک، بیچ میتھیوز (مسٹر جیکسن کا ہدایت کار) اور کمپنی کے دیگر کئی ارکان سے نزدیکی شناسائی نے مجھے اس زحمت اٹھانے سے بچا لیا جو مجھے بہت سے لوگوں کی فطرت جاننے میں اٹھانا پڑتی جس کے چند طائفوں کے ساتھ کام کرنے کے بعد مجھے تلخ تجربات بھی ہو چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ میں ان کے ملک میں قدم جمانے کی جدوجہد کر رہی تھی اور یہی ایک بڑی وجہ تھی کہ وہ میری اعانت کر رہے تھے۔ ووٹوں کو گنوانے کے امکانات یا حمایت اور یا پھر سماجی امور پر میرے نظریات سے اختلافات نے بھی ان کو متاثر نہیں کیا۔ انہیں تو ایک انسان سے دلچسپی تھی ایک ایسے ذی نفس سے جو اجنبی سرزمین پر بھٹک رہا تھا۔ انہوں نے اپنے تھیٹروں میں میرا استقبال کیا اور ان حلقوں سے ربط ضبط پیدا کرنے میں مدد کی جو مجھے ڈراموں پر لیکچروں کے ذریعے قدم جمانے میں مدد دے سکتے تھے۔

مسٹر پی کوک نے مجھے متعدد لوگوں سے متعارف کرا دیا جن میں جیوفری وہٹورتھ جو برٹش ڈرامہ لیگ کے عزت مآب سیکریٹری تھے۔ مسٹر میتھیوز نے برمنگھم کے ناٹک کے شوقینوں کے سیکریٹری کو اس پر رضامند کیا کہ میرے کام میں دلچسپی لینے پر آمادہ ہوں جس کی وجہ سے اس سوسائٹی سے مصروفیات نکل آئیں اور بیری جیکسن جو لندن کے مصروف ترین لوگوں میں سے ایک تھے ہمیشہ میرے لئے وقت نکال لیتے جب بھی مجھے ان کی مہربان اعانت درکار ہوتی۔ مسٹر وہٹورتھ نے کمال فیاضی سے اپنے پورے دفتر کی سہولتوں کی مجھ پر ارزانی کر دی۔ لیگ کے نائب معتمد، دارالمطالعہ اور تمام متعلقہ سماجی حلقوں کی فہرستیں برائے استعمال میرے حوالے کر دی گئیں۔ مسٹر وہٹورتھ نے ڈرامہ لیگ کی کانفرنس میں بولنے کے واسطے بھی مجھے مدعو کیا جو برمنگھم میں منعقد ہونے جا رہی تھی۔

خوشنما ریپرٹری تھیٹر میں میں نے روسی ناٹک کے موضوع پر خطاب کیا جس میں وہاں کے نگارخانوں کا مرتی اور میر ہولڈ کا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ذکر تھا۔ ماحول کینہ اور فساد سے خالی تھا، سامعین پوری طرح متوجہ، پوچھے جانے والے سوالات چبھتے ہوئے اور بامعنی۔ وقفے میں لوگ گھل مل گئے جو میری ہمت افزائی کا باعث ہوا۔

بڑی تاخیر سے مجھے معلوم ہوا کہ انگلستان میں یہ روایت ہے کہ کلب اور سوسائٹیاں لیکچروں کا انتظام چھ مہینے پہلے طے کرتی ہیں۔ اس کے باوجود میں ایسی سات تقریبات میں شرکت طے کر لینے میں کامیاب ہوگئی جو خزاں کے آغاز میں ہونا تھیں۔ یہ محفلیں مانچسٹر کے پلے گورّز، لیور پول کے برکن ہیڈ، باتھ اور برسٹل کے مقامات پر منعقد ہونا تھیں۔ آخر الذکر شہر میں ہمارے لوگ ایسا ہی ایک سلسلے کا منصوبہ اپنے لوگوں کے لِئے تیار کر رہے تھے۔ ڈراموں کے مطالعے کا حلقہ جس کی میں لندن میں منصوبہ بندی کر رہی تھی اس میں روسی ڈرامے کے آغاز اور ترقی کے موضوع پر کئی لیکچر شامل تھے اور ایسٹ اینڈ کے انارکسٹوں نے اسی موضوع کو ایدیش زبان میں کرنے کی فرمائش کردی۔ میں اس کام میں مصروف ہو جانے کی منتظر تھی جسے کرنے میں مجھے ہمیشہ بہت لطف آتا ہے۔

انگلینڈ میں آمد کے ابتدائی دنوں میں جب مجھے ہر بات تاریک لگتی تھی تو اسٹیلّا نے مجھے لکھا تھا کہ لندن ایک سرد مہر حسینہ ہے جسے دام میں لانے کے لِئے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں تب وہ جلوہ دکھاتی ہے ''کس کے پاس اتنی فرصت ہے کہ وہ سرد مہر معشوق کی ناز برداریاں کرے'' میں نے جواب میں لکھا۔ مجھے اس کے حضور میں التفات کا انتظار کرتے ہوئے نو ماہ گزر چکے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے اس کے دل کے تاروں کو چھولیا ہو؟

لندن اب فی الواقع حسین لگ رہا تھا' چہار جانب گہرا سبزہ پھیلا ہوا تھا اور پھولوں کی فراوانی تھی اور دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے یہ اب کبھی بھی سوگ کی چادر نہ اوڑھے گا اور نہ زار و قطار گریہ کرے گا۔ ہر کہہ و مہہ درون خانہ اس لِئے ہر لمحہ رنگ رلیاں منا رہا تھا کیونکہ وہ واقف تھا کہ یہ دلفریبی کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ لیکن چھ گھنٹے یومیہ' سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم کے مترادف تھا جو میں برٹش میوزیم میں روسی تھیٹر اور ڈرامے کے متعلق تاریخی دفینے کی دریافت پر صرف کر رہی تھی۔ میری انگلستان آنے کی وجوہ میں یہ ادارہ بھی ایک مقصد تھا۔ لیکن اس کی نوبت اب آئی کہ وقت، شغف اور میسر سہولتوں سے مستفید ہوسکوں۔ میوزیم میں اپنے قیام کو جتنا بڑھاتی' اسٹیج کے انتظامات، قدیم کھیلوں کے مناظر اور ملبوسات سے متعلق اتنی ہی مزید تفصیلات کو میں کھوج نکالتی۔ یوں موضوعات میں وسعت پیدا ہونے لگی جو مختلف ادوار کے ڈرامہ نگاروں کے سیاسی اور سماجی پس منظر پر محیط ہوتی۔ اور ان کی خط و کتابت روسی زندگی کے احساسات اور ردِعمل کی عکاس تھی۔ یہ ایک دلفریب مطالعہ تھا اور میں اس میں اتنی منہمک ہو جاتی کہ لائبریری بند ہونے کا وقت نہ یاد رہتا۔ ابتدا ہی سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ یہ میرے بس سے باہر ہے کہ میں اس مواد کا عشر عشیر بھی اپنے چھ یا درجن بھر لیکچروں میں استعمال کر سکوں۔ اس کے واسطے تو ایک باضابطہ تصنیف درکار ہے۔ پروفیسر ویِنر، پیٹر کروپوتکن اور دیگر لوگوں نے روسی ادب پر بہت کچھ لکھا ہے۔ میرے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ میرا ڈرامے پر تقاریر کا سلسلہ ایک ضخیم کتاب کے لِئے ایک مقدمہ بن سکتا ہے جو آئندہ کبھی لکھی جا سکتی ہے۔

میری ہیولاک ایلِس اور ایڈورڈ کارپینٹر سے ملاقاتیں ان دیرینہ آرزوئیں نکلنے کا باعث بنیں جو میرے دل میں کوئی چوتھائی صدی سے پرورش پا رہی تھیں۔ نہ صرف یہ کہ مجھے ان کی تصنیفات کے مقابلے میں انہیں سمجھنے کا اس وقت بہتر موقع ملا جب میرا اور ان کرشماتی شخصیات کا آمنا سامنا ہوا۔ میں ایلِس سے اس کے لندن کے اپارٹمنٹ میں بمشکل آدھ گھنٹے کو ملی اور ہم دونوں ہی زبان سنبھال کر بول رہے تھے۔ لیکن اگر میں اس کے ساتھ برسوں رہی ہوتی تب بھی میں اس شخص کی نادر روزگار وصف کو نہ جان سکتی جو پوری زندگی کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھی۔ اس کی یکتائے روزگار شخصیت ایک کھلی کتاب کی مانند اور ہر سطر ان ارفع تصورات کی آئینہ دار تھی جو اس نے روشن خیالی کی محرک اپنی تصنیف میں سے پڑھ کے سنائے۔

میں ایڈورڈ کارپینٹر سے اس کے گلفورڈ میں واقع چھوٹے سے گھر میں ملنے گئی اور پوری سہ پہر وہیں ٹھہری۔ وہ اسّی (۸۰) برس کا ہونے والا تھا نحیف اور دھان پان۔ اپنے خوش لباس رفیق کے ہمراہ جسے سب لوگ جیورج کہہ کر مخاطب کرتے، وہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ملے دلے کپڑے پہنے تھا۔مگر اس کے اطوار باوقار اور نشست و برخاست میں تمکنت تھی۔ پیارے ایڈورڈ کو بولنے کا کم ہی موقع ملا کیونکہ یہ جیورج صاحب ہی تھے جو اس عالمانہ کام کے متعلق بتاتے رہے کہ یہ ''ایڈورڈ اور میں'' نے ہسپانیہ میں بیٹھ کر لکھا تھا۔اور وہ کتاب جو ''ہم لوگ اس موسم گرما میں'' لکھنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ چھوٹے لوگوں کے تکبر کے سامنے ایڈورڈ کے صبر و ضبط اور درگزر کو آپ حکمت و دانش کا ہم پلہ پائیں گے۔

میں نے یہ وضاحت کرنا چاہی کہ اس کی تصانیف میرے لئے کیا معنی رکھتی ہیں.....ٹورڈز ڈیما کریسی' اینجیل وِنگز اور والٹ وہٹمین۔اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھ کر مجھے منع کر دیا۔اس کے بجائے اس نے مجھے الیکزینڈر برکمین کے متعلق بتانے کو کہا' یہ اس کی فرمائش تھی۔وہ اس کی 'پرزن میمائر' پڑھ چکا تھا۔''انسان کی غیر آدمیت کا یہ عمیق مطالعہ ہے اور حبسیہ نفسیات کا بھی جس میں اس کی اپنی شہادت بھی شامل ہے اور جسے نہایت سادگی سے بیان کیا گیا ہے۔'' اس کی یہ دیرینہ آرزو ہے کہ وہ ''ساشا' سے ملے اور اس ''لڑکی'' سے بھی جو کتاب میں ہے۔

ہیولاک ایلس اور ایڈورڈ کارپینٹر! اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے اس موسم گرما کو دل و دانش کے ان دو نوابین نے مالا مال کر دیا۔

تحقیقی کام کے علاوہ کئی اور دلچسپ واقعات رونما ہوئے۔فٹزی مختصر قیام کے لئے آ گئی۔اور اسی کے معرفت میری' پاول اور ایسّی روبسن سے شناسائی ہوگئی اس کے علاوہ پرانس ٹاون پلے ہاؤس میں فٹزی کے دیگر ہمکار لوگوں سے بھی۔وہ لندن میں اپنے کھیل ''دی ایمپرر جون'' میں پاول رابنس کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ایسّی ایک مسرور کن شخصیت تھی اور پاول سب کا دل موہ لیتا۔میں نے روبسن کو پہلی مرتبہ ایک پارٹی میں مناجات گاتے سنا جس کا میزبان میرا امریکی دوست ایسٹیل ہیکلی تھا۔مجھے اس کی گلوکاری کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا گیا تھا لیکن اس کی صداکاری نے اس کی دلگداز آواز کے تمام جوہر کھول ڈالے۔پاول محبت کے قابل شخصیت تھی۔جو احساس ذات سے قطعاً محفوظ تھی اور بچوں کی طرح فطری۔وہ گانے سے کبھی انکار نہ کرتا اس سے کوئی فرق نہ پڑتا کہ سامعین کی تعداد کتنی ہے بشرطیکہ وہ اہل ذوق ہوں۔روبسن کو میرا پکایا کھانا مرغوب تھا خصوصاً کافی یوں ہم ستائش باہمی کا تبادلہ کرتے رہتے۔میں چند منتخب لوگوں کو رات کے کھانے پر بلا لیتی یا پھر اپنے انگریز دوستوں کو پارٹی میں مدعو کر لیتی تا کہ وہ روبنسنز سے ملیں اور پھر پاول انہیں اپنی کھنکھناتی آواز سے دم بخود کر دیتا۔

موسم گرما پر کیف تھا مگر جو بن برسوں کے بعد آیا تھا۔چونکہ اب دھوپ کے دن ختم ہونے والے تھے اس لئے میرے دوست رخصت ہونے لگے۔میری پسند کا کام سامنے جمع تھا اور میرے دل میں یہ سمائی ہوئی تھی کہ کام کرنا ہے۔لیکن دسمبر آتے آتے باقی کچھ نہ بچا اور کوئی ایسی بات نہ بچی جو لندن کی سردی سے بچاتی۔میرا 'پلے گورز' سوسائٹی سے کاروبار اطمینان بخش طریقے سے چل رہا تھا۔لیورپول اور برکن ہیڈ اداروں سے معاملات سودمند ثابت ہو رہے تھے کیونکہ ان کے ارکان کی رکنیت ملی جلی تھی۔دیگر لوگ خالص متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے' جنہیں ڈرامے سے کوئی حقیقی دلچسپی نہیں تھی اور نہ اس کے سماجی اور تعلیمی اہمیت سے کوئی غرض اس کے باوجود تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ میں پلے گورز سے خود کو وابستہ رکھ سکتی ہوں اگر میں اپنی شہرت کو دیر تک انگلستان میں قائم رکھ سکوں یعنی سال بھر یا دو سال۔اس کے لئے نہ میرے پاس وسائل تھے اور نہ ہی میں حاشیہ بردار بن کر رہنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

لندن اور برسٹل میں' میں نے اپنے بندوبست کے تحت جو لیکچر دیے تو اس سے اس مقولے کی صداقت کی ایک مرتبہ پھر تصدیق ہوگئی کہ ''انگلستان میں ایسا نہیں ہوتا۔'' لندن میں جو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا وہ خاص طور سے مایوس کن تھی کیونکہ کام کا آغاز بڑی کامیابی کے امکانات سے ہوا تھا۔کیٹس ہاؤس ایک انوکھی وضع کا خوبصورت گھر تھا جس میں انگلینڈ کے عظیم شاعر اور نابغہ روزگار شخص کی روح بسی ہوئی تھی۔یہیں ہماری بیٹھک ہوتی۔کلیر فاولر شون جو ہماری سیکریٹری تھی ایک ہوشیار منتظم اور سردھڑ کی بازی لگا دینے والی کارکن تھی جو محنت کشوں اور تجارتی انجمنوں کی صفوں میں اچھی جان پہچان رکھتی تھی اس کے علاوہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اسے درجن بھر دوستوں کی مدد بھی حاصل تھی۔ ڈرامے پر میرے کام پر ریبکا ویسٹ اور فرینک ہیرس کا لکھا ہوا جائزہ ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوا۔ بیری جیکسن، جیفری وہٹورتھ، اے۔ ای۔ فلمر اور دیگر ناٹک کی دنیا میں غیر معروف نہ تھے انہیں چیرمین بنانے کا اعلان کیا گیا۔ اس کے باوجود حاضرین کی تعداد قلیل تھی اور آمدنی سے بمشکل اخراجات پورے ہوئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ناظرین اعلیٰ درجے کے اہل دانش طبقے کے تھے۔ یہ اور موضوع پر مواد کا اکٹھا ہونا واحد تسکین تھی جو مجھے چھ ماہ کی بھاگ دوڑ سے حاصل ہوئی۔

میں نے برسٹل میں تین ہفتے بسر کِئے اور نتائج یکساں نکلے۔ یونائیٹڈ کنگڈم میں قدم جمانے کی مجھے دوسری کوشش بھی اس طرح ترک کرنا پڑی۔ دھند اور نمی کی خیر سگالی میں کمی نہ آئی اور دونوں سائے کی طرح خوشی خوشی میرے انتظامات میں آ دھمکتے۔ میں ان دنوں سردی اور بخار کی ماری بستر پر پڑی تھی جب میرے دوستوں فرینک اور نیلی ہیرس نے مجھے نیس میں آ کر ملنے کو کہا۔

جون میں، میں نے پرانے باغی جمیز کولٹن سے بیاہ رچالیا۔ میں اب برطانوی بن چکی تھی۔ میں بھی وہی کرتی جو مقامی لوگ کرتے ہیں یعنی اتنی پونجی جوڑ لیتے ہیں کہ اپنے ملک کے موسم سے جان چھڑالیں۔ ''دی امریکن مرکری'' نے مجھے جوہان موسٹ کے خاکے کے معاوضہ کا چیک بھیجا جس سے میرے جنوبی فرانس جانے کے لِئے کرائے کا بندوبست ہوگیا۔ ہیرس میاں بی بی نہایت عمدہ میزبان نکلے۔ انہوں نے میری نگہداشت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جس سے میری صحت بحال ہوا اور مزاج کی جولانی لوٹ آئے۔ میں پہلے بھی ہیرس کے ہمراہ متعدد دلچسپ گھڑیاں گزار چکی تھی۔ لیکن اس سے پہلے محض فنکار ہی کو سمجھنے کا موقع ملا تھا جو ابن الوقت تھا جو ادبی موضوعات پر دلچسپ گفتگو کرنے والا بھی تھا۔ لیکن گھر کے بے تکلفانہ ماحول میں میں اس قابل ہوئی جس سے میں اس کی مبینہ انانیت اور تکبر میں چھپے ہوئے فرینک کے اندر جھانکنے کے قابل ہوگئی تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کسی اور کے مقابلے میں خود سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ انسان کو پہچان لیتا اور اپنی ذات میں وہ خود بھی انسان تھا۔ اسے یہ شک بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا کہ آیا وہ اتنا ہی اعلیٰ پائے کا فنکار ہے جتنا کہ اسے دعویٰ ہے۔ کیا اس کی تصنیفات کا اثر قائم رہے گا اور اسے لافانی مشاہیر کی صف میں جگہ ملے گی۔ فرینک کو اپنی پسندیدہ خامیوں کے متعلق کوئی خوش فہمی نہ تھی چاہے وہ اپنے دوستوں کی باتوں پر آنکھیں بند رکھے یا پھر ان میں ٹھوکریں کھاتا رہے۔ جنہیں وہ اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ فرینک ہیرس نے جب اپنا دل چیر کر رکھ دیا تو اس کی محبت میں کمی آنے کے بجائے وہ میرے اور قریب ہوگیا۔ ہم میں بہت کم باتیں مشترک تھیں خصوصاً سماجی امور میں۔ ہم اکثر جھگڑنے لگتے لیکن ہمیشہ نیک نیتی کے جذبے میں کیونکہ ہمیں علم تھا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا چاہے ہم کتنی ہی دور نہ چلے جائیں ہماری دوستی کمزور نہ ہوگی۔

گزشتہ برس پیرس میں جب نیلی ہیرس سے ملی تھی تو مجھے اس کی ذات کے متعلق بہت کم اندازہ ہوا تھا سوائے اس کی ظاہری شگفتگی اور دلکشی کے۔ اس مرتبہ اس کی تمام نایاب اور نازک خوبیاں بہ مثل پھول میرے سامنے کھلتی گئیں۔ میں تخلیق کاروں کی بیویوں سے پہلے بھی مل چکی تھی۔ میں نے ان میں اپنے شوہروں کے دوستوں کے خلاف ہمیشہ تلخی پائی۔ ان کے نسوانی مداحوں کے متعلق رقیبانہ جذبات دیکھے تھے اور یہ بھی مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اپنے صنم کو تابع فرمان کرنے اور بدزبانی میں میری ہم صنف اس کی بیوی سے کیا نہیں کرسکتیں۔ میری ہمدردیاں بسا اوقات بیویوں سے ہوتی کیونکہ کسی فنکار کی بیوی ہونا کل وقتی شہادت کے برابر ہے۔ میں نیلی کے متعلق بھی یہ سمجھ لیتی اگر میں اسے فرینک کے مداحوں کے حق میں غیر فیاض پاتی۔ مگر نیلی تو ایک فرشتہ نکلی، ایک دریادل اور محبت کرنے والی جس میں ترشی برائے نام بھی نہ تھی اور اپنے نامور شوہر کا ذرا سا بھی گھمنڈ نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی ذات میں ایک مکمل شخصیت تھی جو لوگوں اور معاملات کا بغور جائزہ لیتی اور انسانی فطرت کی پیارے فرینک کے مقابلے میں بہتر نباض تھی۔ اس کے علاوہ صبر اور فہم میں بھی زیادہ۔

مجھے اپنے اچھے دوستوں سے جدا ہونے میں بڑی وحشت ہو رہی تھی۔ لیکن ببلیو تیک ناشیونال (لائبریری) میں واجب تحقیق، مجھے ولایت لوٹنے سے پہلے پیرس بلا رہی تھی۔ سمجھوتے کے تحت مجھے لیور پول کی پلے گورّز سوسائٹی کے چند کام کرنا تھے جن کا تعلق امریکہ کی لٹل تھیٹر تحریک سے تھا۔ میں اس سلسلے میں ایوجین۔ او۔ نیل کی تحریروں پر کچھ کام کر بھی چکی تھی اور ایک

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

خاتون اخباری نمائندہ نے میرے مضمون ''ذکی الحس ہاتھ اور اوپیرا کے لبادے پر طلائی رنگت کی گوٹ' کسی انارکسٹ میں یہ ہونا باعث تعجب ہے۔'' لیکن پلے گوئرز کو میری تقاریر ضرور پسند آئی ہوں گی۔ اسی لئے انہوں نے مجھے دوبارہ یاد کیا تھا۔ میں نے اس پر صاد کر دیا تھا کہ میں امریکی اور جنوبی امریکہ کے ناٹکوں پر وہاں کے کسی پسندیدہ ہال میں تقاریر کا ایک سلسلہ کر دوں گی اور داخلہ ایک شلنگ فی کس ہوگا۔ میرے کامریڈوں کا کہنا تھا کہ اسے سننے کے لئے لوگ جوق در جوق آئیں گے۔ مگر مقررہ دن پر کوئی مجمع نہ تھا۔ سٹرنڈبرگ جرمن باطن نگار' ایوجین۔ او۔ نیل اور سوسن گلاسپل کوئی بھی اہل برطانیہ کو متوجہ نہ کر سکا کیونکہ کسی ادارے اور پارٹی کی حمایت کے بغیر یہ کیا گیا تھا۔ ''انگلینڈ میں ایسا نہیں ہوتا۔'' مجھے یہ اندازہ لگانے میں بہت وقت لگ گیا جتنا میری دانست میں مجھے ''ایسا نہیں ہوتا'' کی دیوار میں سیندھ لگانے میں لگنا چاہئے تھا۔ اگر زیادہ نہیں تو پانچ سال۔ مگر میرے پاس اتنے برس ضائع کرنے کی فرصت نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی کفالت بھی کرنا تھی۔ اپنی ملک بدری تک تو یہ سوال کبھی میرے ذہن میں آیا بھی نہ تھا۔ میں محسوس کیا کرتی تھی کہ جب تک میں اپنی آواز اور قلم کا استعمال کر سکتی ہوں اس وقت تک میں بہ آسانی جینے کے اخراجات کما سکتی ہوں۔ جب سے مجھ پر انحصار کا آسیب طاری ہوا تھا وہ ساؤتھ ویلز اور دیگر صوبوں کے دورے کے بعد بڑھ کر عفریت بن گیا۔ مجھے چاہے باورچن کی یا پھر امور خانہ داری کی ملازمت کے ذریعے اپنے دال دلیے کا بندوبست کرنا پڑے مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ میری سرگرمیوں کے لئے اخراجات قلیل اجرت پانے والے کانکنوں یا سوتی کپڑے کی ملوں کے کارکنوں کی جیب سے نکالیں جائیں۔ میں یہ نہیں کر سکتی تھی کہ وہ میرے ٹرین کے کرائے ادا کریں۔ میرے لیکچروں کی فیس تو رہی ایک طرف۔ ڈرامے پر منعقد ہونے والے جلسوں سے ان کے اخراجات نہیں نکلتے تھے۔ مجھے انگلینڈ میں اپنا کام جاری رکھنے کے لئے کوئی وجہ نہیں سجھائی دے رہی تھی۔

ایک دوست نے ایک مرتبہ مذاقاً کہا تھا کہ میں ایک بلی کی مانند ہوں ''جسے چھٹی منزل سے پھینک دو' وہ فرش پر اپنے پنجوں پر اتر جائے گی۔'' آخری ناکامی کے بعد مجھے لگا جیسے وولورتھ کی عمارت پر سے پھینک دیا گیا ہے۔ دو چیزوں نے مجھے اپنے پنجوں پر کھڑا کر دیا۔ ایک تو یہ تھا کہ میں ''روسی ڈرامے کے آغاز اور ترقی پر ایک کتاب تصنیف کروں' دوسرا خیال یہ تھا کہ کینیڈا کا دورہ کروں۔ وہاں کے انارکسٹوں نے مجھے وہاں بلایا تھا اور نیویارک کے ایک کامریڈ نے حامی بھر لی کی وہاں کے اخراجات کے لئے وہ رقم جمع کرے گا۔ میں فرانس میں کسی چھوٹے سے قصبے میں جا کر گرمی کا زمانہ گزاروں گی اور خزاں میں کینیڈا کے لئے روانہ ہو جاؤں گی۔ مجھے امید تھی کہ ان دونوں مشغلوں سے مجھے اتنی یافت ضرور ہو جائے گی جس سے میں انگلینڈ میں سال دو سال تک اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکوں گی۔ کینیڈا روانگی کو یقینی بنانے کے لئے میں نے فوراً ٹکٹ خرید ڈالا۔

اس بات کی تحریک کہ مجھے آئندہ چار مہینوں کو لکھنے کے لئے وقف کر دینا چاہئے اس کا محرک میرا مربّی ناشر سی۔ ڈبلیو۔ ڈینیل تھا۔ اسی نے روسی ڈرامہ نگاروں کے موضوع پر میرے لیکچروں کے معاملے میں گہری دلچسپی لی تھی' مجھے ایک مختصر نوٹ دے دیا جو املا لکھتا اور اس کی امید بھی بندھائی کہ میری کتاب مستقبل بعید میں نہ شائع ہوگی۔ میری ''ڈس الوژمنٹ'' کے علاوہ اس نے الیکزینڈر برکمین کی 'پرزن میمایرز آف این انارکسٹ' کا برطانوی ایڈیشن بھی شائع کیا۔ جس کا پیش لفظ ایڈورڈ کارپینٹر نے لکھا۔ اس نے ''لیٹرز فرام رشین پرزنز'' کے دستے بھی درآمد کئے اور شائع کیا اس سارے کام میں اس کی تجوری بھی نہ بھری۔

میں لندن سے روانہ ہونے والی تھی کہ عام ہڑتال کا اعلان ہوا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے اہم حالات میں میں فرار ہو جاؤں۔ کارکنوں اور رضا کاروں کی ضرورت پڑے گی اس لئے مجھے ٹھہرنا چاہئے اور اپنی خدمات پیش کرنا چاہئیں۔ جون ٹرنر سے بہتر اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا تھا جو مجھے ہڑتال کے کرتا دھرتا لوگوں سے ملوا سکے۔ میں نے اسے سمجھایا کہ میں ہر قسم کا کام کرنے کو تیار ہوں جس سے اس عظیم جدوجہد میں ہاتھ بٹانا ممکن ہو۔ ہڑتالیوں کے کنبوں کی دستگیری' ان کے بچوں کی دیکھ بھال اور تنظیم یا پھر امدادی لنگر خانوں کی ذمہ داری۔ میں تو عوام الناس کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ جون خوش ہو گیا۔ یوں میرے سویت مخالف موقف اختیار کرنے سے ٹریڈ یونین حلقوں میں جو غلط فہمی پیدا کر دی تھی اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

انارکسٹ محض نظریاتی لوگ نہیں ہیں بلکہ عملی کام کے بھی اہل ہیں اور کسی بھی ہنگامی حالات سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔اس نے وعدہ کیا کہ وہ میرا پیغام ہڑتالی کمیٹی کو پہنچا دے گا اور مجھ سے رابطہ کرا دے گا۔میں نے دو دن تک انتظار کیا لیکن نہ تو ٹریڈ یونینوں کے صدر دفتر سے کوئی سندیسہ ملا نہ ہی جون نے جواب دیا۔تیسرے روز میں پیدل چلتی ہوئی بہت دور جون سے ملنے گئی اور معاملے کے متعلق پوچھا۔اس سے کہا گیا تھا کہ ہڑتالی مسئلے پر تمام امداد ٹریڈ یونینوں کی صفوں سے حاصل کی جائے گی اور باہر والوں کی مدد نہیں درکار۔بہانہ محض حیلہ سازی تھا۔بات واضح تھی کہ رہنما خوفزدہ تھے کہ یہ فاش ہو جائے گا کہ انارکسٹ ایما گولڈ مان کا عام ہڑتال سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔جون کو میری تعبیر قبول کرنے میں تکلف تھا اور نہ ہی وہ یہ تردید کر سکتا تھا کہ میں غلط کہہ رہی ہوں۔یہ پرانا قصہ تھا۔برطانوی زندگی کے تمام شعبوں میں مرکزیت اتنی سرایت کی ہوئی تھی کہ اس میں انفرادی مساعی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ان حالات میں غیر جانبدار رہنا کتنا پر اذیت تھا جب آقاؤں اور فرد کے درمیان تقسیم اتنی جلی ہو یا پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا جبکہ رہنمایان یکے بعد دیگرے فاش غلطیاں کر رہے ہوں' مگر میں بھی اس ٹرین یا دخانی جہاز سے سفر کرنے والی نہیں جو ہڑتال توڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔مجھے تاہم اس میں تھوڑی سی تسکین مل رہی تھی جب میں گھر سے نکل کر گلی کوچوں میں لوگوں میں گھل مل کر ان کے ردعمل جاننے لگی۔یکجہتی کا جذبہ فراواں تھا' ثابت قدمی اس سے بڑھ کر اور ہڑتال کے پیدا کردہ کٹھن حالات سے ان کی لاپرواہی قابل ستائش تھی۔دشمن کے پیدا کردہ اشتعال انگیز حالات میں ان کا ضبط نفس اور خوش مزاجی بھی کوئی کم نہ تھی۔بکتر بند گاڑیاں سڑکوں پر کھڑکھڑاتی رہتیں' نوجوانوں کے گروہ جن کے ہاتھ میں امن وامان کی ذمے داری تھی طنز و تمسخر کرتے گزرتے اور مالدار پر تعیش کاروں میں بیٹھے برملا اہانت کرتے ہوئے گزرتے۔چند مقامات پر تصادم کی بھی نوبت آ چکی تھی اس کے باوجود ہڑتالیوں کا رویہ باافتخار اور باوقار رہا جس سے اپنے نصب العین کے حق بجانب ہونے کا اعتماد جھلکتا۔یہ سب کچھ ولولہ خیز تھا لیکن اس سے میری بے بسی اور دکھ میں اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ہڑتال کے دسویں دن بھی مصالحت کے کوئی آثار نہیں دکھائی دے رہے تھے۔میں نے انگلینڈ سے بذریعہ طیارہ روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۵۶

دوستوں نے سین تغو پیز کے مقام پر ایک خوشنما جگہ دریافت کرلی تھی' فرانس کے جنوب میں یہ ایک قدیم اور جاذب نظر مچھیروں کا گاؤں تھا۔ یہ ایک مسحور کن جگہ تھی جس میں تین کمروں کا ایک بنگلہ تھا جس میں سے آپ برف سے ڈھکے ساحل سمندر پر واقع الپس کا نظارہ کرسکتے تھے۔ اس کے باغ میں دلکش گلابوں کے تختے تھے' سرخ اور پیازی رنگ والے گلِ شمعدانی' پھلوں کے درخت اور ایک بڑا سا تاکستان یہ سب کچھ صرف پندرہ ڈالر ماہانہ پر ملا تھا۔ ایک زمانے میں مجھ میں جو جینے کی امنگ ہوا کرتی تھی وہ پھر سے لوٹ آئی۔ اور ذات کا وہ اعتماد بھی عود کر آیا جو مستقبل کی ممکنہ دشواریوں پر غلبہ پانے کے لِئے ضروری ہوتا ہے۔ میں نے اپنے وقت کو لکھنے کی میز اور اہل خانہ کے درمیان بانٹ لیا۔ یہاں تک کہ مجھے تیراکی سیکھنے کا بھی موقع مل گیا۔ میں ایک انوکھے سرخ اینٹ کے بنے پغو واں سال طرز کی انگیٹھی پر کھانا پکاتی جس میں صرف لکڑی کا کوئلہ جلتا تھا۔ میرے بہت سے امریکہ اور دنیا کے دوسرے خطوں کے دوست سین تغو پیز کے گھر کی جانب روانہ ہوگئے۔

جیور جیٹ لبلانک' مارگریٹ اینڈرسن' پیگی گوگنہیم' لارنس ویل اور کئی دیگر لوگ گھنٹہ بھر یا پورے دن کے لِئے آئے تا کہ سنجیدہ موضوعات پر گفتگو کی جائے یا پھر ہنسی مذاق کریں۔ پیگی اور لارنس ہم سے کسی بڑے فاصلے پر نہیں رہتے تھے ان کا گاؤں پغا مسکی ائے کہلاتا تھا جہاں میں پہلی مرتبہ کا تھالین ملّے اور ہورڈ ینگ سے ملی تھی۔ آخر الذکر نے میری اچھی طرح خبر لی کہ میں سر گزشت کیوں نہیں لکھتی ''تمہارا جیسا ماضی رکھنے والی عورت!'' وہ حیرانی سے چلایا ''ذرا سا سوچو تو کہ وہ کیا قیامت ڈھائے گی۔'' میں نے اس سے کہا کہ اچھا لکھوں گی بشرطیکہ مجھے دو سال کی گزر اوقات کے لِئے رقم ہاتھ آجائے' ایک سیکریٹری مل جائے اور کوئی ایسا فرد جو میرے برتن بھانڈے اور کیتلی مانج کر دھو دیا کرے۔ وہ اس کی ذمے داری لیتا ہے کہ امریکہ سے واپسی پر پانچ ہزار ڈالر کہیں سے جمع کر لائے گا' ینگ نے وعدہ کرلیا۔ میرے ممکنہ مخیّر کے اعزاز میں پیگی نے عشائیوں میں خالی ہونے والی شراب کی بوتلوں میں چند اور کا اضافہ کر دیا۔

سین تغو پیز میں بسر ہونے والے چار ماہ کھیل کود اور محنت کشی میں ہنسی خوشی گزر گئے۔ یہ زمانہ ایک سنہری خواب جیسا تھا تاہم جاگ جانا گرانی سے خالی نہ تھا۔ مسٹر ڈینیل نے مجھے بتایا کہ عام ہڑتال کے بعد انگلستان کے حالات بد سے بدترین ہو چکے ہیں اور کسی بہتری کے آثار بھی نہیں ہیں اس لِئے مجھے اپنے روسی ڈرامے پر کتاب کے مسودے کے لِئے اس کی فرم کا پابند نہ رہنا چاہیئے۔ یہ میرے نیلگوں آسمان پر پہلا تاریک ہلکورا تھا۔ اس کے باوجود اتنا پریشان کر دینے والا معاملہ نہ تھا مجھے نیو یارک کے اس کامریڈ کا تار ملا جس نے میرے کینیڈا کے دورے کے اخراجات جمع کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ''معاملے کو ختم سمجھیئے'' اس نے اعلان کر دیا۔

کینیڈا کی حکومت نے غالباً اعلان کر دیا تھا کہ وہ مجھے ملک میں نہ داخل ہونے دے گی جس پر ہمارے لوگوں نے بھی اپنے دعوت نامے پر دوبارہ غور کیا ہوگا' میں یہی سوچ سکتی تھی۔ لیکن میری بدگمانیاں غلط نکلیں۔ کینیڈا کبوتر کی طرح آنکھیں بند کِئے بڑھتے ہوئے خطرے سے بے خبر تھا۔ اور میرے کامریڈوں نے یقین دلایا کہ وہ بڑی بے چینی سے میرے منتظر تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے میرے کفیل صاحب کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ مجھے کمیونسٹوں کے ہاتھوں کہیں جسمانی گزند نہ پہنچے۔ اس کے اندیشے بالکل بے بنیاد بھی نہ تھے۔ نیو یارک میں کمیونسٹ ریڈیکل جلسوں کو منتشر کر چکے تھے اور مخالفین پر جسمانی حملے بھی کِئے تھے۔ ایسے پر آشوب زمانے میں میرے لیکچروں کے دورے کی کامیابی متاثر ہوسکتی تھی' کامریڈ نے لکھا۔ میری اور میرے مفادات کے لِئے اس کی خیر اندیشی کو میں نے سراہا مگر مجھ میں اتنی دریا دلی نہ پیدا ہوسکی کہ میں اس کے یکطرفہ اقدام کو طرح دے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دیتی جو اس نے میرے دورے کو منسوخ کر کے کیا تھا۔ کاش یہ نئی ضرب اس وقت پڑتی جب میں انگلینڈ میں مقیم تھی تو میں سمجھتی کہ میرے لئے قیامت آ چکی ہے۔ لیکن سین تغوپیز کے شب و روز نے میری طاقت بحال کر دی تھی اور اس کے ساتھ ہی میری نبرد آزمائی والا جذبہ بھی۔ میں نے امریکہ میں اپنے تین دوستوں کو تار برقی کی کہ مجھے قرض دیں۔ انہوں نے بیک وقت جواب دیا حالانکہ وہ مختلف خطوں میں مقیم تھے۔

جب میرا پیرس میں قیام تھا میں نے ظہرانہ تی او دوغ دغیز ے کے ساتھ کھایا ''ای۔ جی تم اپنی زندگی کی حکایت کیوں نہیں لکھتیں'' اس نے تاکید کی ''یہ اس صدی کی کسی بھی عورت کی داستان سے زیادہ دلکش ہے۔ تم مائیک کے نام پر ایسا کیوں نہیں کرتی؟'' میں نے اس سے کہا کہ یہ سوال سب سے پہلے ہارورڈ ینگ نے اٹھایا تھا۔ اور میں نے بھی اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور مجھے اس پر بھی کوئی تعجب نہ ہوا کہ پھر اس کے بعد اس کی طرف سے کوئی اور خیر خبر نہیں ملی حالانکہ اسے امریکہ پہنچے کئی مہینے گزر چکے ہیں۔ دغیز ے احتجاج پر اتر آیا کہ اسے میری سرگزشت دنیا تک پہنچانے میں بہت دلچسپی ہے۔ وہ کسی ناشر سے پانچ ہزار ڈالر بطور بیعانہ لے دے گا اور مجھے اس کی طرف سے بہت جلد ہی اطلاع ملے گی۔ ''بہت خوب'' جان من بڑے میاں' دیکھتی ہوں تم کیا کرتے ہو! اگر تم بھول گئے یا ناکام رہے تو بھی تمہاری وعدہ شکنی پر میں کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی نہیں کروں گی۔ اور ہنسنے لگی۔

میں کینیڈا میں اسی طرح بغیر کسی منادی کے داخل ہوئی جس طرح دو سال ہوئے میں انگلینڈ میں وارد ہوئی تھی۔ مونٹریال میں مجھے معلوم ہوا کہ کسی انگریز انارکسٹ کو کینیڈا میں تقریر کئے ہوئے کئی برس ہو گئے ہیں۔ صرف ایک دھڑا ایسا تھا جو وہاں سرگرم عمل تھا وہ ایدیش گو' کا تھا۔ مگر انہیں انگریزی زبان میں تقریریں منظم کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ میرے دوست ایسا ک ڈون لیوائن نے وعدہ کیا کہ وہ میرے کام کی ڈگی پیٹنے میں میری مدد کرے گا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مانٹریال پہنچتا اخبارات نے یہ ہاہا کار مچا دی کہ خطرناک انارکسٹ ایما گولڈ مان' کولٹن کے بھیس میں امیگریشن حکام کو چکمہ دے کر مانٹریال پہنچ چکی ہے۔ اہل مونٹریال کو مزید اضطراب سے بچانے کی غرض سے اور اخبار والوں کی ٹوہ اور چلبلی رفع کرنے کے لئے ڈون نے ایک بیان جاری کیا جس میں بتایا کہ میں کینیڈا کیوں اور کیسے آئی ہوں اور اہل صحافت کو انٹرویو کرنے کی دعوت دی۔ میرے میزبان زاہلرز کے فون اور گھر کی گھنٹیاں دن رات بج رہی تھیں اور اخبارات ان وحشتناک خبروں سے بھرے ہوئے تھے کہ اس غرض مند باولوں کے مادی عہد میں اب بھی طلسمات کا وجود ہے۔ ایما گولڈ مان اور جیمز کولٹن جس کا تعلق جنوبی ویلز سے ہے نے پچیس برس کے بعد اپنی محبت کو از سر نو دریافت کر لیا ہے اور اپنی زندگیوں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا ہے۔ امیگریشن حکام کا مبینہ طور پر یہ کہنا تھا کہ انہیں کینیڈا میں میری موجودگی میں اس وقت تک مداخلت کرنے کی کوئی نیت نہیں ہے۔ ''جب تک میں بم بازی کی وکالت نہیں کرنے لگتی۔''

جنونی ماسکو پسندوں نے یہ زور لگایا کہ لوگ میری تقاریر کا مقاطعہ کریں اس کے لئے وہ ایدیش آبادی کے ریڈیکل لوگوں کے گھروں کو کھٹکھٹاتے رہے۔ ان ہی میں چند باحواس اور شستہ کمیونسٹ ایسے بھی نکلے جنہوں نے ان حربوں کی فہمائش کی۔ انہوں نے یہ تجویز رکھی کہ مجھ میں اور اسکاٹ نیارنگ میں ایک مناظرہ ہونا چاہئے۔ مجھے تو یہ ترجیح دینا چاہئے تھا کہ میں کسی ایسے کمیونسٹ کا سامنا کرتی جو روس میں کافی عرصے مقیم رہا ہو اور مسٹر نیارنگ کے مقابلے میں وہاں کے حالات سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو۔ اس کے باوجود میں اس پر آمادہ تھی کہ اس سے آمریت کے تحت وہاں کی زندگی کے متعلق گفتگو کروں گی۔ مگر مسٹر نیارنگ اس کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کا جواب تھا کہ اگر ای۔ جی موت کے منہ میں جا رہی ہو تو میں اس کی جان بچانے جاؤں گا ورنہ اس کے قریب نہیں پھٹکوں گا۔

تھیٹر میں میرے ایک لیکچر کے علاوہ ایوجین ڈیبس میموریل کے اجتماع میں مجھے ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا مزید برآں میں نے ایدیش زبان میں چھ لیکچر دیئے اور ایک ضیافت میں شریک ہوئی جہاں روسی سیاسی کارکنوں کی مدد کے لئے کئی سو ڈالر جمع کر لئے گئے۔ مانٹریال کے دورے کا سب سے زیادہ اطمینان بخش نتیجہ یہ نکلا کہ خواتین کا ایک حلقہ متحد ہو کر ایک مستقل ادارے میں ڈھل گیا تا کہ کمیونسٹ مملکت میں مقید انقلابیوں کے لئے رقم جمع کرے۔

ٹورنٹو کے انارکسٹ تعداد میں کہیں زیادہ اور بہتر منظم تھے۔ وہ ایدیش میں وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کر رہے تھے اور اپنی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

برادری میں اثر ونفوذ پیدا کر رہے تھے۔مگر افسوس ناک حد تک مقامی لوگوں کو نظر انداز کر رہے تھے۔تاہم وہ میرے انگریزی میں لیکچروں کے پروگرام میں تا حد امکان مدد کرنے کو بے تاب تھے۔انہوں نے بہت بڑے پیمانے پر ابتدائی تیاریاں بھی کر لی تھیں جس کی وجہ سے میری پہلی عوامی پیشکش کی کامیابی تقریباً یقینی تھی۔ایک خلاف توقع سمت سے حمایت آ گئی۔میں نے ٹورنٹو کے اخبارات کو اپنی آمد کے متعلق پہلے ہی اطلاع بھیج دی تھی لیکن صرف سٹار کو یہ توفیق ہوئی کہ اس نے اپنا نمائندہ بھیجا جس کا نام مسٹر سی۔آر۔ریاڈ تھا۔میں تو دنگ رہ گئی جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ انارکسٹ فلسفے سے اچھی طرح باخبر ہے اور اس کے داعیوں اور ان کی تصنیفات سے بھی مانوس ہے۔ممکن ہے وہ ہم ہی میں سے ایک ہو، میں نے مذاق کیا۔ایسے غیر مقبول آدرش سے وابستگی کے بغیر ایسے نظریات کا بلا حصہ دار بنے یہ بے کیف دنیا کتنی تکلیف دہ ہو سکتی ہے،اس نے ہنس کر کہا۔اس کی معاملہ فہمی اور دوستانہ رویہ اپنے مدیروں کے نظریات بدلنے میں کتنے موثر ہو سکتے ہیں۔کمیونسٹوں کے بقول 'اسٹار' ''ایما گولڈ مان کا اشتہاری پرچہ'' بن چکا ہے۔میرے لئے اخبار کی ''کشش'' کا یہ جواز پیش کیا گیا کہ ایک زمانے میں اس کا مالک ''مفکر'' انارکسٹ رہ چکا ہے اور نئے خیالات کا خیر مقدم کرتا ہے۔لیکن میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ اس کا بڑا سبب ریاڈ کی مہربانی تھی۔دونوں مسٹر ریاڈ اور اس کی بیوی میری پرجوش کفیل بن گئے۔مسز ریاڈ نے تو یہ پیشکش کی وہ میرے ڈراموں پر لیکچروں کا رضا کارانہ انتظام کرے گی۔یہ لوگ ان چند فروزاں اور دانشور ارواح میں سے تھے جن کی رفاقت کا لطف میں نے اپنے ٹورنٹو کے قیام میں اٹھایا۔

میرے خاندان کے قریبی لوگ مجھ سے ملنے امریکہ سے آئے اور یہ بات نہایت مسرت کی تھی یکجائی ممکن ہو گئی، یہ الگ بات ہے کہ میں ان سے ملنے جاتی جبکہ انہیں آنا پڑا۔بات یہ نہ تھی کہ مجھے موقع نہیں ملا تھا بہت سے لوگ مجھے چوری چوری سرحد پار لے جانا چاہتے تھے۔حالانکہ ریاست ہائے متحدہ کے نگار خانوں میں ٹھگوں کے لئے مخصوص حصے میں میری تصویر موجود تھی۔یہ ممکن نہ تھا کہ میں زیادہ دنوں تک شناخت نہ کی جاتی اور روپوش رہ کر قیام کرنا بے مصرف تھا۔میرے وہ احباب اور کامریڈ جو اخراجات برداشت کر سکتے تھے ضرور ملنے آئیں گے۔باقی ماندہ کے لئے میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ مجھے سنسنی برائے سنسنی ناپسند ہے۔میرے دل میں میرے مترو کہ ملک کے لئے اب بھی بہت جگہ تھی اگرچہ وہاں مجھ سے بدسلوکی کی گئی۔وہاں جو کچھ مثالی ہے، تخلیقی ہے اور انسان نواز ہے اس کی محبت میرے دل میں نہیں مر سکتی۔لیکن اب میں شائید ہی امریکہ کو دیکھوں اگر مجھے ایسا کرنے کے لئے اپنے نظریات پر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔

کینیڈا میں سفر کے اخراجات اور بڑے شہروں کے درمیان طویل فاصلوں کی وجہ سے میں نے فیصلہ کیا کہ میں البرٹا کے شہر ایڈمنٹن کے آگے نہیں جاؤں گی۔وینی پیگ تو میرا پانی پت بن گیا۔شہر سخت جاڑے کے لپیٹ میں تھا اور وبائی بخار میں پھنک رہا تھا۔جس کی میں بھی پہلے چوبیس گھنٹوں میں شکار ہو گئی۔ہماری صفوں میں رابطوں کی کمی، جلسوں میں انتظامات کی بدنظمی اور ہر اجتماع میں کمیونسٹوں کی رکاوٹ نے صورتحال کو خوشگوار کے سوا سب کچھ بنا ڈالا۔دن بھر بستر سے چپکی رہتی اور سردی توڑنے والی دواؤں کے اثر سے مدہوش میں خود کو کھینچ تان کر اتوار کی شام کے بڑے جلسے کی کارروائی میں شریک ہو گئی حالانکہ ماسکو کے کٹر حاجیوں نے ہاتھا پائی کر کے ہنگامہ بھی کیا۔بعد میں میں نے طے شدہ پروگرام میں ڈراموں پر تقاریر کا ایک کورس بھی شامل کر لیا۔وینی پیگ میں جو چھ ہفتے گزرے اگرچہ محنت طلب اور ادھ موا کر دینے والے تھے مگر بالکل بے ثمر نہ ثابت ہوئے۔آربا یتر رنگ کی تنظیم کے چوکس اور مستعد نوجوانوں اور یونیورسٹی کی طالبات جنہوں نے مجھے بولنے کے لئے مدعو کیا تھا ان کی وجہ سے میں اس کڑی آزمائش میں سے سرخرو نکلی۔میں ریڈیکل خواتین کو متحد کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی یوں روس میں مقید انقلابیوں کی امداد کے لئے ایک سماجی انجمن تشکیل پا گئی اور جمع شدہ رقم میں کچھ اضافہ ہو گیا۔

ایڈمنٹن، البرٹا میں تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے میں تو وہاں دو تقاریر کے لئے آئی تھی مگر میں نے ہفتہ بھر میں پندرہ لیکچر دے ڈالے، کسی دن تو تین مرتبہ۔قصبے کی تمام یہودی تنظیموں کینیڈا کی اکثر محنت کش تنظیموں، سماجی اور تعلیمی حلقوں نے مجھے بولنے کی دعوت دی۔قسم قسم کے سامعین میں دو انتہاؤں کو چھونے والے لوگ بھی موجود تھے جن سے میں نے اس ہفتے خطاب کیا مثلاً فیکٹری میں کام کرنے والی لڑکیاں جن سے ان کے دوپہر کے کھانے کے وقفے کے دوران، ایڈمنٹن کالج کے مختلف شعبہ جات سے اور البرٹا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

یونیورسٹی کی جانب سے کسی ہوٹل میں چائے کی پارٹی ترتیب دی گئی جس کا انتظام مسز اپچ۔اے فریڈمین کے ہاتھ میں تھا جو یہودی عورتوں کی انجمن کی کونسل کی صدر تھیں۔میری ایڈمنٹن میں موجودگی کے متعلق جو دلچسپی وہاں پیدا ہوئی وہ صرف ان تین افراد کی مہربانیوں کی مرہون منت تھی جن میں سے کوئی بھی انارکسٹ نہ تھا۔مسز فریڈمین رائج سیاسی نظام کی مخلص اور زبردست حامی تھی۔ای۔ہینسن ایک سوشلسٹ نیشنلسٹ اور کارل برگ آئی۔ڈبلیو۔ڈبلیو سے وابستہ تھے۔

جب میں ٹورنٹو پہنچی تو پیگی گوگینہیم کا ایک رقعہ میرا منتظر تھا جس میں اس پر حیرانی ظاہر کی گئی تھی کہ میں نے اپنی خودنوشت کے متعلق ہاورڈ ینگ کے خط کا جواب کیوں نہیں دیا۔کیا میں نے ارادہ بدل دیا ہے کہ وہ درکار رقم جمع کرے تاکہ میں کتاب لکھ سکوں۔اس کا منصوبہ ہے کہ وہ کارروائی شروع کردے اور پیگی چندہ اکٹھا کرنے کے لئے پانچ سو ڈالر سے ایک کھاتہ کھولنے جارہی ہے۔میں نے جواب دیا کہ مجھے ہاورڈ کا خط ہی نہیں ملا۔اس کے باوجود وہ قدم بڑھائے بہت خوب۔اس کے باوجود میں یہ ترجیح دوں گی کہ میرا قدیم دوست ڈبلیو۔ایس۔وان والکینبرگ اس کٹھن کام کو اپنے ہاتھ میں لے لے جس میں چندے کی اپیل بھی کرنا پڑے گی۔مجھے معلوم تھا کہ توانائی اور انتھک محنت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔کامیابی وان کا قدم چومے گی۔اگرچہ پیگی گوگینہیم اور ہاورڈ ینگ میرے پہلے دو کفیل ہوں گے۔کیتھلین مل نے سرکاری سیکریٹری اور وان کے ذمہ بھاری خط و کتابت ہوگی۔یوں بالآخر منصوبہ شروع کردیا گیا تاکہ ''میں اس شاہکار کو ضابطہ تحریر میں لے آؤں جو ساری دنیا میں آگ لگادے'' اور اس کے لئے رقم جمع کی جائے۔

دریں اثنا میرے ٹورنٹو کے کامریڈ اس پر مصر تھے کہ میری وہاں پر ضرورت ہے۔ان کے لئے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ ان کا شہر انارکسٹ پروپیگنڈے کا اس گرمجوشی سے کیسے استقبال کررہا تھا۔وہ خواستگار تھے کہ میں ٹورنٹو کو اپنا مستقل آماجگاہ بنالوں یا پھر وہاں کم از کم کئی برس قیام کروں۔انہوں نے یہ پیشکش بھی کی کہ وہ میرے تمام اخراجات برداشت کریں گے اور میں خود کو اتنے عرصے کے لئے پابند سمجھوں اور اس کا اعلان بھی کردیا۔ان میں زیادہ تر ایدیش انارکسٹ تھے اور محنت کش تھے جن کی گزر اوقات مشکل سے ہوتی۔ وسعت پذیر ماورالیس لانگ بورڈ اور اس کی بیوی پیگی بڑی جفاکشی سے اپنے چھ شگفتہ بچوں کی پرورش میں لگے ہوئے تھے جن کی بھوک نہ مٹتی تھی۔ اے۔جڈکن جس کا وزن بمشکل نوے پونڈ ہوگا وہ بیمار بیوی اور اخبارات کے بنڈل ڈھونے والا ٹرک چلاتا تھا، ملنسار اور ہمدرد جوڈیسر جو مہینوں سے بیمار تھا، گریان، سیمکن، گولڈسٹین اور دیگر کامریڈ.....ان میں سے ہر ایک بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ ڈھونے میں لگا ہوا تھا۔میں تو جولیس سیلٹزر سے بھی کسی مدد کو قبول کرنے پر صادنہ کرتی جو ہماری صفوں میں واحد ''لکھ پتی'' تھا۔نہ ہی میں اپنی باقی ماندہ زندگی کینیڈا میں بسر کرنے کا سوچ سکتی تھی۔لیکن اسے سال بھر کے لئے ضرور داؤ پر لگا سکتی ہوں۔

خصوصی ڈرامہ کورس جو میرے دو فنکار دوستوں فلورنس لورنگ اور فرانسس وایلی نے انتظام کیا تھا اس سے کچھ رقم ہاتھ آگئی۔میرے اہل خاندان نے میری سالگرہ پر تحفوں کے عوض نقدی بھیج دی۔دونوں بن، اصغر اور اکبر اور دیگر دوستوں نے بھی اس موقع پر مجھے یاد رکھا۔میرے پاس اب اتنا سرمایہ تھا کہ میں موسم گرما کا ایک حصہ گزار سکتی تھی۔میں نے یہ سوچا کہ مجھے چند دن آرام کرلینا چاہئے اور پھر ایک نئے کورس کے لئے کمر کس لینا چاہئے۔مگر ساکی اور وانزیٹی کا عدالتی قتل سر پر منڈلانے لگا جس سے میری آرام کرنے کی تمنا دھری کی دھری رہ گئی۔

ان کی گرفتاری کی پہلی خبر مجھے پیرس میں ملی تھی اس کے بعد کچھ نہ پتہ چلا جب تک میں جرمنی نہ پہنچ گئی۔ان کی معصومیت کی شہادتیں اتنی جاندار تھیں کہ یہ ناممکن لگتا تھا کہ ریاست ماساچیوسٹس بھی ۱۹۲۳ء میں اسی غلطی کا ارتکاب کرے گی جس کی ایلے نوائے ۱۸۸۷ء میں مرتکب ہوچکی تھی۔یہ بھی درست ہے کہ گزشتہ چوتھائی صدی میں امریکہ میں کچھ بہتری آئی ہے۔عوام الناس کے دل و دماغ میں چند ایسی تبدیلیاں آئیں کہ نئی قسم کی انسانی قربانیوں کو روکا جائے۔میرا یہ استدلال تھا۔بات تعجب کی تھی کہ تمام لوگوں میں واحد میں تھی جو یہ سوچ رہی تھی۔میں جس نے اپنی آدھی سے زیادہ زندگی امریکہ میں گزاری اور جدوجہد میں بسر کی اور وہاں کے محنت کشوں کی بے حسی کا بھی مشاہدہ کرچکی تھی اور مریکی عدالتوں کی بددیانتی اور انسانیت سوزی بھی دیکھ چکی تھی۔ ہمارے شکاگو والے لوگوں کو انہوں نے ہی ذبح کیا تھا پھر ساشا کو بائیس برس کے لئے جیل میں ٹھونس دیا گیا جبکہ تعزیرات میں اس

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی سزا محض سات سال کی تھی اور موآنی اور بلنگر کو حلفیہ جھوٹی شہادت پر زندہ درگور کر دیا گیا۔ وہیٹ لینڈ اور سنٹر یلیا کے کشتگان اب بھی جیل میں پڑے ہیں اور بہت سے ایسے لوگ جنہیں اغوا کر کے جیلوں میں سڑنے کو ڈال دیا گیا! میں کیونکر یقین کر لیتی کہ ساکو اور وانزیٹی چاہے کتنے ہی بے قصور ہوں امریکی ''انصاف'' کے شکنجے سے بچ نکلیں گے؟ اندیشہ ہائے دور و دراز نے میرے ہوش و حواس اڑا دیئے تھے۔ پوری دنیا اس عفریتی امکان کی اعلانیہ مذمت کر رہی تھی کہ ساکو اور وانزیٹی کو نئے مقدمے کے ذریعے انصاف نہ ملنے دیا جائے گا اور موت کی سزا مل کر رہے گی۔ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اور یہ روکنے کو کچھ نہ کر پا رہی تھی کہ ان دو خوبصورت زندگیوں تک جلاد کا ہاتھ پہنچنے سے روک لوں۔ صرف کینیڈا پہنچنے کے بعد مجھے اپنی فاش غلطی کا پورا احساس ہوا۔ کسی قسم کی بات چیت بے نتیجہ اور فضول تھی۔ اس کے باوجود میں صرف یہی کر سکتی تھی کہ سرحد پار ہونے والے کالے کرتوتوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرا دوں۔ حیف میری نحیف آواز ان لاکھوں صداؤں میں سے ایک تھی جن کا کوئی اثر نہ ہوا۔ امریکی بہرے بنے رہے۔

میرے کامریڈوں نے ایک یادگاری جلسہ منعقد کیا۔ میں نے بھی تقریر کرنے کی حامی بھر لی، اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ ان کی عظمت اور انسان دوستی کا کوئی بھی قصیدہ آنے والی نسلوں کی نگاہ میں ان کی تابندہ عظمت میں کوئی اضافہ نہ کر سکے گا جتنا کہ وینزیٹی کا اپنا دلکش نغمہ یا ساکو کے سادہ اور آخری سورمائی الفاظ تھے۔

کسی اہم دلچسپی میں میرا انہماک اکثر و بیشتر انسانی وحشت سے لگنے والے زخموں کو بھرنے میں مدد دیتا ہے جو وہ اپنے بھائیوں پر لگاتا ہے۔ موسم سرما میں لکھنے کے لئے جو مواد میرے پاس جمع تھا اس کو غور سے پڑھنے سے ممکن ہے ہمارا بے پایاں اور دلفگار کرنے والا نقصان کم ہو جائے۔

ٹورنٹو کے عوامی اور یونیورسٹی کے کتب خانوں میں جدید موضوعات پر جن میں سماجی، تعلیمی اور نفسیاتی مسائل تھے اس عہد کے بڑے مفکرین کی کتابیں نہ تھیں ''ہم یہ کتابیں نہیں خریدتے ہمارے نزدیک یہ بدچلنی ہے۔'' بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بات ایک لائبریری کے منتظم نے کہی تھی۔ میں نے آرتھر لیونارڈ راس کی ذات میں ایک لائبریرین ڈھونڈ لیا جو میرے بہترین دوستوں میں ہوتا ہے اس نے مجھے ان موضوعات پر دو ڈبے بھر حوالے والی تازہ ترین کتابیں روانہ کر دیں جس کی میں تیاری کر رہی تھی۔ میری نگاہ سے والٹ وٹمین کا کتابوں کا ایک عمدہ ذخیرہ گزرا جو مسٹر ایچ۔ ایف۔ سانڈرز کی ملکیت میں تھا۔ یہ صاحب ٹورنٹو والٹ وٹمین فیلوشپ کے سیکریٹری تھے جنہوں نے نامور بوڑھے شاعر کی یاد میں منعقد ہونے والے سالانہ اجتماع میں مجھے تقریر کرنے کو مدعو کیا تھا۔

ٹورنٹو میں میری خوش نصیبی میرے کرتوتوں سے زیادہ نکلی۔ شفیق دل لوگوں نے میری ہر خواہش پوری کی ''ایک سیکریٹری درکار ہے'' ''کیوں بھئی، موآنی کرزنر جو ہے..... وہ تمہارا کام کرے گی۔'' سال بھر کے اندر موآنی نے اپنا نام بدل کر ایکرمین رکھ لیا تھا مگر میرے لئے وفاداری میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ''ہماری نشر و اشاعت کے لئے مرکزی علاقے میں جگہ چاہئے؟ کیوں جناب وکیل سی۔ ایم۔ ہرلک کا دفتر کس لئے ہے۔ آپ اس سے نہ گھبرائیں وہ ایک سوشلسٹ بھی ہے اور اپنا دفتر مجھے دینے کو بے تاب ہے۔ ایک طبیب، ایک دندان ساز اور درزی میری آواز کے منتظر تھے اور ایک اغوا کار جس کا گرما گرم گھر جلد ہی میرا بننے والا تھا۔ عزیز جان عورت ایتھر لیڈن اگرچہ میری ہم سن تھی مگر میری یوں پرورش کر رہی تھی جیسے میں اس کی اولاد تھی۔ وہ میری صحت کے لئے گھلی جاتی، میرے کھانوں کے لئے فکرمند رہتی اور ہر کہہ و مہ کو روک کر روزانہ لوگوں کو متنبہ کرتی کہ وہ عظیم خطیب ای۔ جی کی تقریر سننا نہ بھول جائیں۔ بلاشبہ میری خوش نصیبیاں محرومیوں پر بھاری پڑ رہی تھیں۔

جنوری ۱۹۲۸ء میں میں نے بیس لیکچروں کے سلسلے میں اپنی حتمی گفتگو مکمل کی جس میں اپنے عہد کے متعدد مسائل پر اظہار خیال کیا۔ آخری شام میں جب مجھے بن لنڈسے کی تصنیف (Companionate Marriage) موزوں شادی پر گفتگو کرنا تھا تو اس میں اتنا بڑا مجمع ہو گیا جو گزشتہ چار میٹنگوں کے برابر تھا۔ مجھے لوگوں نے یقین دلایا کہ میں نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو اس سے پہلے کسی عوامی خطیب نے ٹورنٹو میں سوچا بھی نہ ہوگا۔ میں ایک اجنبی کی طرح یہاں پہنچی تھی جس کے ڈب میں نہ درکار رقم

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھی اور نہ ہی کوئی مینجر۔ سال بھر میں میں نے اتنی دلچسپی پیدا کر دی کہ آٹھ ماہ تک ہفتے میں دو مرتبہ بڑی تعداد میں سامعین آنے لگے۔ اس سے بھی بڑھ کر جو میرے دوستوں کے خیال میں ہوا یہ تھا کہ اسکولوں میں بچوں کو جو جسمانی سزائیں دی جاتی تھیں اس پر بہت اثر پڑا تھا۔ اس مہم کے ذریعے اس پر زور دیا گیا تھا کہ اس وحشیانہ روایت کو ختم کیا جائے اور ان کے بقول یہ اسی کا نتیجہ تھا۔ میں سب کچھ نہ حاصل کر سکتی جو میں نے حاصل کر لیا اگر مجھے اس میں رائیڈز، رابرٹ لومیری رامزے، جین کوہن، فلارنس لورنگ اور فرانسس وایل جیسے دوستوں اور میرے ٹورنٹو کے کامریڈوں کی موثر حمایت نہ حاصل ہوتی۔ اس میں ان کا حصہ مجھ سے کسی حالت میں کم نہ تھا اور نہ ہی داد و تحسین میں ان کا حق کم کیا جا سکتا ہے۔

میرے بحری سفر کے شروع ہونے سے پہلے جو ہفتہ گزرا وہ میرے پچھلے دورے کے برعکس ہر قسم کی اداسی اور مایوسیوں سے عاری تھا۔ میں تو عورتوں کی مددگار سوسائٹی کی مہمان بن کر آئی تھی۔ جو حلقہ میں نے منظم کیا تھا اس کا مقصد روس کے ستم زدگان کی مدد اور اعانت کرنا تھا۔ میری ایک سال کی غیر حاضری سے ان کے لگن اور کوششوں میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ مسز زایلر، لینا سلیک مین، منا بیرن، روز برسٹین وردیگر جفاکش کارکنان مالی امداد کے معاملے میں میری توقعات سے بڑھ کر نکلے اور وہ روسی سیاسی اسیروں کے فنڈ کے لئے رقوم برلن بھیجنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی جانفشانی اس وقت بھی ثابت ہوئی جب انہوں نے میرے لئے ایک میٹنگ کا انتظام کیا جو بہت دلچسپ اور مانٹریال میں ہونے والی میری تمام میٹنگوں سے بڑی تھی۔ ان کی جانب سے ترتیب دیئے جانے والے عشائیے میں جو نفیس یگانگت اور عمدہ رفاقت ملی اس سے میں بہت محظوظ ہوئی۔ دیگر دوستوں نے بھی میری دلچسپیوں میں حصہ لیا اور میرے قیام کو پر لطف بنایا جن میں میاں بی بی کیسر مین، یہودیت کے فدائین جنہوں نے ایدیش دانشوروں کو یوم والٹ وہٹمین پر میرا لیکچر سننے کو اپنے گھر پر جمع کیا تھا۔ انہیں اس پر فخر تھا کہ میں ان کی ہم نسل ہوں جسے وہ دہرائے جاتے۔ مانٹریال کو واپسی واقعی اس قابل تھی کہ میں ایدیش گو کے دلوں میں GOI والٹ وہٹمین کے طفیل اتر گئی۔

ایلون اسکاٹ شہر ہی میں تھی میں نے اس کے ساتھ چند گھنٹے گزارے۔ میں اس کی تصنیف اسکیپیڈ (Escapade) کئی سال پہلے پڑھ کر سراہ چکی تھی۔ ہماری دوستی لندن میں شروع ہوئی تھی لیکن ایلون کے خط سے اسے استحکام ملا تھا جس کا طرز تحریر اس کے ادبی کام سے کسی طرح کمتر نہ تھا۔ ہم فرانس میں کاسیس کے مقام پر اپنی حالیہ ملاقات کو یاد کر کے نمناک ہو گئے۔ اس نے مجھے اور ساشا کو عشائیے پر بلایا تھا اور ہم لوگ پیکی اور لارنس کے ہمراہ صبح میں چار بجے پہنچے جب وہاں ذائقے دار کھانے کی ایک اونٹھ بھی نہیں بچی تھی۔

''ای۔ جی کی زندگی بچانے'' کے لئے آستینیں چڑھانے والی صداؤں پر کوئی لشکر جرار نہ ٹوٹ پڑا، وان نے پشیمانی سے یہ بات بتائی۔ ہزار ڈالر سے کچھ ہی اوپر رقم جمع ہوئی تھی حالانکہ قرب و جوار کے ہر شناسا پر بمباری کی تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت دمکنے لگا جب اسے معلوم ہوا کہ 'فرای آر بیتر اسٹے' کے کامریڈوں نے اس کے مدیر جوزف کوہن کے اثر و رسوخ سے اور بی آکسلر اور سارہ گروبر نے مل کر اتنی ہی رقم جمع کر لی تھی۔ لیکن ٹورنٹو اور مانٹریال بھی پیچھے نہیں رہے تھے۔ لیکن ہم درکار پانچ ہزار ڈالر کی منزل سے اب بھی آدھے فاصلے پر تھے۔ وان ہمت ہارنے والا نہ تھا۔ وہ ان تمام لوگوں کو گھیر تا رہا جنہوں نے کبھی بھی ای۔ جی کی دوستی کا دم بھرا تھا۔ ''میرا کیا منصوبہ ہے؟'' کیا مجھے کام شروع کرنے سے پہلے انتظار کرنا ہوگا؟'' کیا وہ اس کی جرأت کر سکتا ہے کہ ایک اچھا انارکسٹ بیچ راستے میں ٹھہر جائے میں نے منتظم اعلیٰ کو ستانے کے لئے کہا۔ پندرہ ماہ میں، میں نے سیاسی فنڈ کے لئے تیرہ سو ڈالر جمع کئے ہیں، کچھ رقم ساکو اور وانزیٹو کی گلوخلاصی کی لڑائی لڑنے کے لئے جمع کی ہے اور کچھ ایسے ہی مقاصد کے لئے بارہ سو ڈالر۔ اب میرے پاس اتنی رقم ضرور ہے جس سے میں واپسی کا ٹکٹ خرید سکتی ہوں اس کے علاوہ ایک اور رقم تھی جو میری سرگزشت میں لگے گی۔

میں فرانس واپس ہو رہی ہوں، حسین سین تغو پیز کی جانب جہاں مجھے اپنی چھوٹی سی طلسمی کٹیا میں بیٹھ کر آپ بیتی لکھنا ہے۔ میری زندگی .....جس میں عروج بھی حاصل ہوئے اور نشیب بھی آئے۔ انتہائی غم واندوہ اور کیف آور مسرتیں بھی، گھٹا ٹوپ مایوسیاں اور فروزاں امیدیں۔ میں نے حیات کے پیالے کی تلچھٹ بھی پی ڈالی۔ میں اپنی زندگی بسر کر چکی ہوں۔ کیا مجھ میں اتنی لیاقت ہے کہ اپنی سرگزشت کی تصویر کشی کر لوں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com